روحانی اشارے

شوبرت لال ورمن

سَین بیَن کو جو لکھئے — تا سوں کہئے دھائے
سَین بیَن پُوچھے نہیں — تا سوں کہئے بلائے
(کبیر صاحب)

رُوحانی اِشارے

مہاتما رام کرشن پرم ہنس، سوامی ووِیکانند جی
کے گورو کے مثالیہ قصّوں اور دُوسری دِلچسپ روائیتوں
کے سِلسلہ میں حقیقت کے انکشاف و وضاحت کی کوشش

از

بابو شیو برت لال ورمن

پبلشرز
لاجپت رائے اینڈ سنز
تاجرانِ کُتب۔ اُردو بازار۔ دہلی

بار ششم
قیمت ایک روپیہ پچاس نئے پیسے

فہرست مضامین

حصہ اول

حصہ دوم

(شفیق لیتھو پریس دہلی)

رُوحانی اِشارے

حِصّہ اوّل

رام کرشن پرم ہنس کے مثالیہ قصّے

۱

اُونچی دیواروں سے گِھرا ہُوا باغ

ایک باغ اُونچی دیواروں سے ہر چہار طرف گھرا ہُوا تھا۔ باہر کے آدمی یہ نہیں جانتے تھے، اس کے اَندر کیا ہے۔ ہر ایک مرتبہ چار آدمیوں نے یہ ارادہ کیا کہ دیکھیں اس میں کیا ہے؟ اور وہ دیواروں پر چڑھنے کے لئے اپنے ساتھ ایک سیڑھی بھی لے گئے۔ پہلے ایک آدمی چڑھا۔ جوں ہی اُس نے اُوپر سے باغ کے اَندر نگاہ کی۔ زور سے قہقہہ مار کر ہنس پڑا، اور پھر دھم سے اَندر کی طرف کُود پڑا۔ اسی طرح دُوسرا آدمی بھی چڑھا اور خوشی سے ہنستا ہُوا وہ بھی اَندر کُود پڑا۔ یہی کیفیت تیسرے آدمی کی بھی ہُوئی۔ اس کے بعد چوتھا آدمی بھی چڑھا جب دیوار کی چوٹی پر پہنچا، تو اُس کے باغ کے اَندر مختلف قسم کے اچھے اچھے پھل پھول اور خوبصورت درخت دِکھائی دیئے۔ خوش ہو کر

اُسنے بھی چاہا، کہ اندر کُود جائے۔ مگر دِل میں خیال آیا، مَیں اکیلا ہی کیوں اِس کا سُکھ حاصل کرُوں، کیوں نہ اوروں کو بھی جاکر اس باغ کی ہستی کی خوشخبری دُوں، تاکہ اَور لوگ بھی اس کا مزہ پائیں۔ یہ سوچ کر وُہ دیوار سے اُتر آیا، اَور سب کو باغ کے اندرُونی حال سے واقف کیا؛

ایشور اس قِصّہ میں چاروں طرف سے گھرا ہوُا خوبصورت اور سوہاؤنا باغ ہے، جو اس کو دیکھتا ہے، اپنے آپ کو بھُول جاتا ہے، اور آنند میں محو ہو جاتا ہے۔ سادُھو اور سنت اِنہیں کو کہتے ہیں۔ ان سنت اَور سادھوُوں میں ایسے بھی ہوتے ہیں، جو دُنیا کی فلاح کے خیال سے ایشور کو دیکھ کر بھی اپنی مُکتی نہیں چاہتے۔ اَور جنم مرن کے جنجال میں پھنسے ہُوئے اَوروں کو تارتے رہتے ہیں ؎

تروَر سروَر۔ سنت جن۔ چوتھے برسیں مینہ
پرمارتھ کے کارنے چاروں دھاریں دیہہ

(۲)

ناوانوں کے مذہبی تفرقات (چار اندھے)

چار اندھے ایک ہاتھی کو دیکھنے گئے۔ ایک نے ہاتھی کا پاؤں چھُوا۔ اور کہنے لگا۔ ہاتھی کھمبے کی طرح ہے۔ دُوسرے نے ہاتھی کی سُونڈ پکڑی، کہنے لگا ہاتھی لکڑی کی طرح ہے۔ تیسرے نے ہاتھی کے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔ بولا ہاتھی بڑے گھڑے کی طرح ہے۔ چوتھے نے کان چھُوئے، بولا ہاتھی سرپ کی طرح ہے۔

گھر پر آکر یہ چاروں ہاتھی کی شکل و صورت کے متعلق لڑنے جھگڑنے لگے۔ ایک سوجھاکھے نے اُن کی باتیں سُنیں۔ اندھوں نے کہا، تُو ہمارا فیصلہ کر دے۔ وہ بولا، تم میں سے کسی نے ہاتھی کو نہیں دیکھا ہے۔ جس نے جس عضو کو ہاتھ سے چھُوا، غلطی سے اُسی کو ہاتھی سمجھ بیٹھا۔ تم میں سے نہ سب سچے ہیں نہ جھوٹے ہی ہیں۔ ہاتھی کے پاؤں کھمبے کی طرح ہوتے ہیں سونڈ لکڑی کی مثال ہے۔ پیٹ گھڑے کی شکل کا ہے۔ کان سوپ کی طرح ہوتے ہیں۔

ایشور کے مسئلہ کے متعلق اکثر لوگ ایک ہی پہلو پر نظر ڈالتے ہیں۔ ہر چہار پہلو کو نہیں دیکھتے۔ اس واسطے اندھوں کی طرح لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ ایشور کو ان لوگوں کی نظر سے دیکھنے کی لیاقت حاصل کرو۔ جنہوں نے اس کا ساکشات کار کیا ہے۔

دستو کہیں ڈھونڈھے کہیں، کیونکر آوے ہاتھ
کہیں کبیر تپ پایئے۔ جب بھیدی لیجئے ساتھ

(۳)

ایشور پر بھروسہ (باپ اور بیٹے)

ایک آدمی اپنے لڑکے کو ساتھ لئے جاتا تھا۔ ایک لڑکا کمسن اُس کی گود میں تھا۔ دُوسرا اُس کا ہاتھ پکڑے ہوئے چلا جاتا تھا۔ اِتنے میں دونو لڑکوں نے ایک پتنگ آسمان میں اُڑتی ہوئی دیکھی۔ دونو لڑکے تالی بجا کے چلّا اُٹھے۔

۱۔ چیز

"آہا کیا چڑیا اُڑ رہی ہے !" اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اس لڑکے کو جو اپنے باپ کا ہاتھ چھوڑ کر تالی بجانے لگا تھا، گر پڑا۔ چوٹ آ گئی، مگر وہ لڑکا جو گود میں تھا۔ تالی بجانے پر بھی نہیں گرا۔ اور آرام سے رہا۔

اسی طرح جو لوگ ایشور پر بھروسہ رکھتے ہیں، اُن کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔ مگر جو اپنی طاقت پر اِتراتے ہیں اکثر دھوکا کھاتے ہیں ؎

ایک بھروسہ ایک بل ایک آس وشواس
سوانتی سلل[1] گورو چرن ہیں چاتر[2] تلسی داس

(۴)

بابا ہری داس اور ایک لڑکا

ہری داس ایک دِن ایک لڑکے کو شیر کا چہرہ اپنے منہ پر لگا کر ڈرا رہا تھا۔ اِتنے میں لڑکے کی ماں آئی۔ اُس نے لڑکے کو دلاسا دے کر کہا "بیٹے! کیوں ڈرتا ہے۔ یہ تو ہری داس ہے۔ شیر نہیں ہے۔ اس نے صرف کاغذ کا چہرہ مُنہ پر لگا رکھا ہے۔ لڑکے کی ماں نے اس کو بہت سمجھایا، مگر وہ مارے ڈر کے روتا رہا۔ لیکن جب ہری داس نے اپنے مُنہ سے شیر کے چہرے کو اُتار کر لڑکے کے ہاتھ میں رکھ دِیا۔ اور اپنی

---

[1] پانی [2] پپیہا

صورت دِکھادی۔ اور لڑکے کے سامنے ہنستا ہُوا کھڑا ہوگیا۔ تب لڑکے نے ماں کی بات کو سمجھا۔ تب سے وہ لڑکا کاغذ کے چہروں سے کبھی نہیں ڈرتا تھا۔

اس طرح اُن لوگوں کو جن کو پرماتما کا گیان ہو جاتا ہے۔ مایا کا ڈر نہیں رہتا۔

۵

بھگتی اور پریم (نارد اور بھگت)

ایک مرتبہ نارد مُنی غرور میں آکر سوچنے لگے "میرے برابر ایشور کا کوئی پریمی بھگت نہیں ہے"۔ ایشور انتریامی ہیں۔ اُن سے کوئی بات چھُپ نہیں سکتی۔

ایک دِن ایسا اتفاق ہُوا کہ نارد اپنے دوست کے ساتھ سیر کو نکلے۔ دیکھتے کیا ہیں، کہ ایک ویشنو کمر سے تلوار لٹکائے کھڑا ہے۔ نارد کو تعجب معلوم ہُوا ہے۔ دوست سے پُوچھا "یہ شخص ظاہرا ویشنو ہے۔ ویشنو کسی کو نہیں مارتے۔ نہ ہنسا کرتے ہیں۔ پھر یہ تلوار کیسی؟"

دوست نے جواب دیا "اِسی سے پُوچھو"۔ نارد اس سے مخاطب ہو کر بولے "کیوں بھگت جی! آپ ویشنو ہو۔ اس تلوار سے کیا مطلب؟ اس نے جواب دیا۔ یہ تلوار تین بدمعاشوں کے مارنے کے لئے ہے۔ اگر وہ مِل جائیں۔ تو اُن سے قتل کروں گا۔ نارد نے پُوچھا۔ وہ بدمعاش کون ہیں"۔ اُس نے جواب دیا۔" ایک

ارجن ہے۔ جس نے سری کرشن سے لڑائی میں رتھ ہنکوایا تھا"۔
نارد بولے "دوسرا کون ہے؟" اُس نے کہا "دُوسری چڑیل
دروپدی ہے۔ جس نے سری کرشن کو اپنا جھوٹا کھلایا تھا"۔
نارد جی نے پوچھا "تیسرا کون ہے"۔ بھگت نے تیوری چڑھا
کر کہا "تیسرا ہتیارا نارد ہے۔ وہ ملے تو سب سے پہلے اُسی
کو ماروں"۔ نارد جی نے کہا "یہ کیوں؟" جواب دیا گیا "کمبخت
نارد رات دن بین بجاتا ہوُا رام رام کرتا رہتا ہے۔ بھگوان کو
بنتی پرارتھنا سُناتا ہی رہتا ہے۔ ذرا دم نہیں لینے دیتا ہے۔
اس پاپی کو بھگوان کے آرام کا ذرا خیال نہیں۔ اور پھر اس
بے حیا کو غرور بھی ہے۔ کہ میرے جیسا کوئی بھگت نہیں۔ وہ اتنا
بھی نہیں جانتا کہ غرور اور بھگتی ایک ساتھ نہیں رہ سکتے"۔
نارد کا غرور اُسی وقت دُور ہو گیا ۔

۶

دُنیا خواب کی طرح ہے

ایک آدمی جس کے پاس کچھ کام نہیں تھا۔ اُس کی عورت
روز دھمکا کر کہتی کہ "تو خالی کیوں بیٹھا رہتا ہے۔ کوئی نوکری
چاکری کیوں نہیں کرتا"۔ ایک دن جب اس کا لڑکا بہت
بیمار تھا۔ وہ گھر سے محنت مزدوری کی تلاش میں نکلا۔ اس
عرصے میں اس کا لڑکا مر گیا۔ تب لوگ اس کو ڈھونڈنے لگے
مگر کہیں پتہ نہیں لگا۔ شام کو وہ گھر آیا۔ اور اس کی عورت

نے دھمکا کر اس کو کہا "کہ تو کیسا سنگدل ہے۔ مرتے ہوئے لڑکے کو چھوڑ کر تو گھر سے چلا گیا"۔ اس آدمی نے جواب دیا کہ ایک مرتبہ مَیں نے خواب میں دیکھا، کہ میرے سات لڑکے ہیں۔ اور مَیں اُن کے ساتھ خوشی سے رہتا تھا۔ مگر جب مَیں نیند سے جاگ اُٹھا تو وہ نرا خواب معلوم ہُوا۔ اس لئے مَیں نے اپنے سات لڑکوں کے مرنے کا ذرا بھی دُکھ نہیں مانا۔ اب مَیں ایک لڑکے کے لئے کیوں روؤں۔

(۷)

دُنیا میں اپنا کوئی نہیں ہے (براہمن اور سنیاسی)

ایک سنیاسی کو ایک براہمن ملا۔ دونو دھرم اور سنسار کے مضمون پر دیر تک بحث کرتے رہے۔ سنیاسی نے براہمن سے کہا "بیٹا دیکھ اس دُنیا میں کوئی اپنا نہیں ہے"۔ براہمن کو اس بات پر یقین نہیں آیا۔ اس کو خیال تھا "میرے خاندان کے سب لوگ مجھ کو دِل سے پیار کرتے ہوں گے۔ کیونکہ مَیں رات دِن ان کو محنت کر کے کھِلاتا پلاتا رہتا ہوں۔ وہ مجھ کو کبھی نہ چھوڑیں گے"۔ اس نے سنیاسی سے کہا "جب کبھی میرے سر میں درد بھی ہوتا ہے تو میری ماں کو و اِستری کو سخت فکر ہو جاتی ہے۔ وہ رات دِن میرے عیش و آرام کی فکر میں رہتی ہیں۔ مَیں کیسے کہوں وہ میرا ساتھ نہ دیں گی"۔ سنیاسی نے کہا "یہ تمہاری غلطی ہے۔ ایسا کبھی نہ ہوگا۔ اگر تم کو میری بات کا

بقین نہ ہو تو ابھی گھر جاؤ، اور بڑے درد کے ساتھ بہانہ کر کے چلّانے لگو۔ مَیں آکر تم کو تماشہ دکھلاؤں گا"۔ براہمن نے منظور کر لیا۔ گھر پر آکر اس قدر زمین و آسمان کو سر پر اُٹھا لیا۔ جس کا کوئی حد حساب نہیں۔ کتنے ڈاکٹر اور وئید آئے۔ کسی سے علاج نہیں ہوا۔ اس کی ماں دُکھ سے سسک رہی تھی۔ اور استری و بچے سب چلّا رہے تھے۔ اتنے میں سنیاسی بھی آ پہنچا۔ اس نے اس کے گھر والوں سے کہا۔ مرض لاعلاج ہے۔ کوئی آرام نہیں آ سکتا۔ لیکن اگر اس کے لئے تم میں سے کوئی اپنی جان دینا گوارا کرے۔ تو مَیں اس کا خون اس کے جسم میں ڈال دوں۔ یہ بچ جائے گا اور وہ مر جائے گا۔ اس بات کو سُن کر سب ڈر گئے۔ سنیاسی نے ماں سے کہا "ماتا! تو بوڑھی ہے۔ تیرے مرنے سے اس کی جان بچتی ہے۔ یہ خاندان کو پالتا ہے۔ تو مرنے پر راضی ہو جا"۔ بڈھی نے کہا۔ "یہ میرا بیٹا مجھ کو سب سے پیارا ہے۔ مگر اِن چھوٹے لڑکوں کو کیا کروں؟ ورنہ ضرور مرنا قبول کر لیتی۔ مَیں بڑی بدنصیب ہوں۔ بیٹا مر رہا ہے۔ اور مَیں نہیں بچا سکتی۔ زندہ ہوں"۔ سنیاسی نے اُس کی عورت سے کہا "دیوی! تو ہی اپنی جان اس کے لئے دے دے"! وہ بولی "ہائے مَیں سب کچھ کرنے کو تیار ہوں، مگر اپنے باپ کو کیسے دُکھی کروں"۔

براہمن ان سب کے بہانہ کی باتیں سُن رہا تھا۔ سنیاسی بولا "دیکھ اب تجھ کو سمجھ آئی، کہ نہیں"۔ براہمن کو اسی وقت ویراگ پیدا ہو گیا۔

تو مت جانے باورے۔ میرا ہے سب کوئے
پنڈ[1] پران سے بندھ رہا یہ نہیں اپنا ہوئے

(۸)

وِیراگ (ویراگ کیسے آتا ہے)

ایک اِستری نے اُپنے مَرد سے کہا "مجھ کو اپنے بھائی کی سخت فِکر ہے وہ آٹھ سات دِن سے ویراگی ہونے کی فکر میں ہے۔ اور اپنی خواہشوں کو چھوڑتا جا رہا ہے۔ مَرد نے کہا "ناداں عورت! یہ تیری خام خیالی ہے۔ وہ کبھی سنیاسی نہ ہوگا۔ جن میں پس و پیش و فِکر کی عادت ہے۔ وہ سنیاسی نہیں ہوتے"۔

عَورت نے پُوچھا: "سنیاسی کیسے ہوتے ہیں؟" مَرد نے کہا "دیکھ اس طرح لوگ سنیاسی ہوتے ہیں" اور اس نے اسی وقت کمر سے ایک لنگوٹہ لگا کر کہا "آج سے تو ساری استریاں میری ماں ہیں۔ مَیں سنیاسی بن گیا"۔ اور اسی وقت گھر سے باہر نِکل کھڑا ہُوا۔

آج کہے مَیں کال بھجوں گا کال کہے پھر کال
آج کال کے بیچ میں اوسر[2] جاتے[3] سے چال
لینا ہو سو جلد لے کہی سُنی مت مان
کہی سُنے جگ جگ چلے آسا مانہہ نِند ہال

---

[1] جسم [2] موقع [3] چلا جا رہا ہے۔

(۹)

سنیاس (استری پُرش سنیاسی)

ایک مرد و عورت دونو ساتھ ہی سنیاسی ہو گئے۔ اور ساتھ ہی تیرتھ یاترا کرنے لگے۔ ایک دِن جب وہ راہ میں چلے جاتے تھے۔ مَرد عورت سے کچھ دُور پہلے نِکل گیا تھا۔ ایک چمکتا ہُوا ہیرا نظر پڑا۔ دِل میں سمجھا۔ عورت پیچھے آ رہی ہے۔ ایسا نہ ہو لالچ میں آکر سنیاس کے دھرم کو ترک کر بیٹھے۔ زمین کو کھُرچ کر اُس نے اُس کو مٹّی سے ڈھانپ دِیا اِتنے میں وُہ عورت بھی آ پہنچی۔ پُوچھا "کیا کر رہے ہو؟" اُس نے جواب دینے میں تامل کِیا۔ عورت اُس کے دِل کی بات کو سمجھ گئی۔ کہنے لگی۔ ابھی تک تم کو ہیرے اَور مٹّی میں فرق معلوم ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں تم نے سنیاس کیوں دھارن کِیا؟"

دوہا

گھر میں رہے تو بھگتی کر۔ ناتر کر ویراگ
ویراگی بندھن کرے۔ تا کا بڑا ابھاگ

(۱۰)

ٹھگ ودیا نتی (گائے اَور براہمن)

ایک براہمن نے ایک باغ لگایا۔ اور رات دِن مصروف

ے دوہا

رہ کر اُس کی دُرستی کراتی۔ ایک دِن ایک گائے اس باغ میں گھُس آئی۔ اور آم کے ایک درخت کو کھا گئی۔ جس کو اس براہمن نے بڑی محنت سے لگایا تھا۔ اُس براہمن کو غصّہ آیا اور اُس کو اِتنا مارا کہ وہ مرگئی۔ براہمن ویدانتی تھا اور ویدانت کا دم بھرتا تھا۔ جب اُس سے لوگ کہتے "تو نے بڑا پاپ کیا، گئو ہتیا کر ڈالی"۔ تو وہ جواب دیتا "مَیں نے کچھ نہیں کیا، جو کچھ کیا میرے ہاتھ نے کیا"۔ اِندر لوک میں بیٹھے بیٹھے اندر دیوتا نے اس کی بات سُنی اور ایک براہمن بُوڑھے کا رُوپ بنا کر اس براہمن کے پاس آیا اور اس سے پُوچھنے لگا "یہ باغ کِس کا ہے"؟ اُس نے جواب دِیا "میرا ہے"۔ تب دیوتا نے کہا "یہ باغ بہت اچھا ہے۔ اس میں بہت اچھی طرح قرینے کے ساتھ درخت لگے ہیں۔ مالی اس باغ کا بہت ہوشیار معلوم ہوتا ہے"۔ اس پر براہمن نے کہا۔ "یہ بھی سب میرا ہی کیا ہُوا ہے۔ تمام دِن باغ میں بیٹھا ہُوا مَیں نوکروں سے کام لیا کرتا ہُوں"۔ دیوتا نے کہا "یہ سڑک کِس نے بنائی۔ یہ بھی بہت اچھی بنی ہے"۔ براہمن نے کہا "یہ میرے ہی ہاتھ سے بنی ہے"۔ تب اِندر نے ہاتھ باندھ کر کہا "اگر یہ سب تمہارے ہی کرنے سے ہُوا ہے، تو گائے مارنے کا پاپ میرے سر کیوں منڈھتے ہو"؟

گیانی مول گنوائیکر بوجھے سار نہ سار
پانے سنساری بھلا جو سدا بھجے کرتار

۱۱

جہالت (کنوئیں کا مینڈک)

ایک مینڈک کنوئیں میں رہتا تھا۔ وہ وہیں پیدا ہُوا۔ وہیں بڑا ہُوا۔ وہیں پرورش پائی۔ وہاں سے کہیں نہ گیا۔

ایک دِن کسی سمندر کا مینڈک وہاں آ گیا۔ اُس نے پُوچھا۔ سمندر کتنا بڑا ہے؟ سمندر کے مینڈک نے جواب دِیا "بہت بڑا ہے"۔ کنوئیں کے مینڈک نے ٹانگوں کو پھیلا کر چھلانگ ماری۔ "کیا اِتنا بڑا ہے؟" اُس نے جواب دِیا "اس وسعت سے سمندر کی چوڑائی کی نسبت کیا ہے! اُس کی چوڑائی تیری سمجھ میں بھی نہیں آ سکتی"۔ کنوئیں کے مینڈک نے کہا "تو بالکل جھوٹا ہے، بھلا وہ اس سے کیا بڑا ہو سکے گا۔ ایسی کوئی چیز ہی نہیں ہے، جو اِس کنوئیں سے بڑی ہو سکے!"

یہی حالت جاہلوں کی ہے، جنہوں نے کچھ نہیں دیکھا۔ اور سمجھتے ہیں۔ ہم نے سب کچھ دیکھ لیا ہے۔ دُنیا میں جو کچھ ہے۔ سب ہماری نگاہ میں آ گیا ہے۔

مُورکھ کے سمجھاؤ نے، گیان ہردے سے جائے
کاگا ہنس نہ ہوئے گا چاہے سو من صابن لائے

(۱۲)

چھوٹا غرور (ایک مغرور بھنڈاری)

کسی دولت مند آدمی کے پاس ایک بھنڈاری تھا جس کے پاس اُس کے مالک کی کُل جائداد و املاک تھی - جب کبھی کوئی اُس سے پُوچھتا کہ یہ مال کس کا ہے، تو وہ فوراً جواب دے دیتا تھا، یہ میرا ہے - گھر باغ، مال، اسباب سب کچھ میرا ہے - اور غرور سے کچھ اس طرح اکڑ کر چلتا تھا کہ دیکھنے والوں کو بُرا لگتا تھا - ایک دِن اُس نے اپنے مالک کے باغ کے تالاب سے ایک مچھلی پکڑی - مالک نے منع کر رکھا تھا، کہ کوئی شخص اس تالاب کی مچھلی نہ مارے - اتفاق سے جب وہ مچھلی پکڑ رہا تھا اُس کا مالک بھی کہیں سے آ پہنچا - اور جب اُس نے بھنڈاری کو چوری کرتے دیکھ لیا، تو اُس کو نوکری سے علیحدہ کر دیا - صرف اِتنا ہی نہیں، بلکہ سخت ذلیل کر کے اُس کی جائداد وغیرہ کو بھی چھین لیا - اور گھر سے باہر نکال دیا -

یہی حالت اُن لوگوں کی ہے، جو اپنے کو ایشور کا بندہ نہیں سمجھتا، اور اُس کی دی ہوئی نعمت کو اُس کی نہیں، بلکہ اپنی کہتا ہے - اس قسم کے آدمی کی بھی ایسی ہی سزا ملتی ہے -

مجھ میں اِتنی سکت کہاں - ... پسار
بندہ کو اِتنی بہت - پڑا رہے دربار

(۱۳)

سنسار میں ڈوبے ہوئے لوگ (ہری کا باپ)

ایک آدمی یہ کہا کرتا تھا، کہ جب میرا لڑکا ہری بڑا ہو جائے گا، اور اس کا بیاہ ہو جائے گا تو میں اس کو سارے کٹنب کا کام سپرد کر کے سنسار کو چھوڑ کر یوگ ابھیاس کروں گا۔ بھگوان رام، کرشن نے یہ بات سنی، کہنے لگے "تم کو کبھی یوگ ابھیاس کا موقع نہ ملے گا۔ پھر تم یہ کہو گے کہ ہری اور گوری سے میرا بڑا پریم ہے اور وہ مجھ کو چھوڑتے نہیں۔ اور پھر یہ کہو گے کہ ہری کا بیاہ بھی ہو جاتا اور لڑکا ہو جاتا۔ اور اس لڑکے کا بیاہ ہو جاتا، تو سنسار چھوڑتا۔ وغیرہ وغیرہ۔"

پاؤ پلک کی سدھ نہیں کرے کال کا ساج

کال اچانک مارسی، جیوں تیتر کو باج!

(۱۴)

سدھی (پانی پر چلنے کی طاقت)

ایک آدمی نے چودہ برس جنگل میں رہ کر تپسیا کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس میں پانی پر چلنے کی سدھی آگئی۔ اس سدھی سے وہ بہت خوش ہوا۔ اور اپنے گورو کے پاس جا کر کہنے لگا "گورو جی! گورو جی! مجھ کو پانی پر

چلنے کی سدھی مل گئی"۔ گورو نے اس سے کہا۔ بیٹا! کیا چودہ برس کی تپسیا کا یہی پھل ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے، تو تجھ کو صرف ایک پیسہ ملا ہے۔ کیونکہ تو ایک پیسہ ملاح کو دے کر پار اُتر سکتا ہے"۔

افسوس! انسان اپنی ریاضت اور تپ کا کیا برا پھل چاہتا ہے!

ردّھ سدّھ مانگوں نہیں۔ مانگوں تم سے ایہہ
نسدن درشن اپنا کہیں کبیر موہی دیہہ

(۱۵)

ملین باسنا (مچھواہے کی عورت)

ایک مچھواہے کی عورت مچھلی بیچ کر بازار سے گھر کو آ رہی تھی۔ راہ میں شام ہو گئی۔ سورج ڈوب گیا۔ رات کو وہ کسی مالی کے گھر ٹھہر گئی۔ مالی نے اُس کی جہاں تک ہو سکا۔ خاطر داری کی، مگر مچھواہے کی عورت کو نیند نہ آئی۔ آخر کار نیند نہ آنے کا سبب یہ معلوم ہوا، کہ وہاں پھولوں کی ایک ٹوکری رکھی ہوئی تھی اور پھولوں کی خوشبو سے اُس کی نیند ہرن ہو گئی۔ یہ معلوم کر کے اُس نے مچھلی کے ٹوکرے پر پانی چھڑکا اور اسی پانی کو ناک پر لگایا، تاکہ مچھلی کی بو آتی رہے۔ اس عمل کے کرنے سے اس کو نیند آ گئی۔

اِسی طرح جن کو سنسار بدھی ہے - جب تک وہ ملین اوستھا میں نہ رہیں - اُن کو چین نہیں آتا - سچ ہے - نیم کا کیڑا نیم میں سُکھی رہتا ہے ؛

(۱۶)

سنساری آدمی اور سمادھی (دُنیا دار اور لذّت نفسانی)

شری پرم ہنس رام کرشن جی کے پاس ایک اُن کا دُنیا دار شاگرد گیا - اور کہنے لگا - " مہاراج ! مجھ کو سمادھی دِکھلا دیجئے " پرم ہنس جی نے اپنے یوگ بل سے اُس کو سمادھی کی حالت میں کر دیا - اس کے دوست گھبرا گئے پرم ہنس جی کے پاس اُٹھا لائے - جُوں ہی اُنہوں نے چھُو لیا اُس کی سمادھی ٹوٹ گئی - جب وہ ہوش میں آیا - کہنے لگا " مہاراج ! میرے بال بچے بھی ہیں ، اور دھن بھی ہے سمادھی کو لے کر کیا کرُوں گا -

سچ ہے ، جس کی نگاہ بلند نہیں ہے ؛ وہ اُونچی چیز کی قدر نہیں کر سکتا -

(۱۷)

قول و فعل یکساں ہو ا سادھو اور مریض لڑکا)

ایک آدمی اپنے مریض لڑکے کو کندھے پر اُٹھا کر ایک سادھو کے پاس لایا ، اور علاج کی درخواست کی - سادھو نے

حالات دریافت کرنے کے بعد کہا " اس لڑکے کو کل لے آنا " ۔ دوسرے دن وہ پھر لڑکے کو لایا ۔ تب سادھو نے کہا ۔ " دو آج سے لڑکے کو مٹھائی نہ کھلانا آج سے ہی وہ خود بخود اچھا ہو جائے گا " اِس آدمی نے کہا " بابا جی تم نے یہی بات کل کیوں نہ کہی ؟ " سادھو بولا " کل میں کہہ تو سکتا تھا ۔ لیکن کل میرے سامنے مصری کا کوزہ رکھا ہُوا تھا ۔ لڑکا یہ بات سُن کر کہتا ۔ دیکھو بابا جی خود تو مصری کھاتے ہیں ۔ مجھ کو مٹھائی کھانے کو روکتے ہیں ۔ کپٹی اور فریبی ہیں ۔ میری بات کا اثر نہ ہوتا ۔ "

جو شخص کوئی بُرا کام دُوسروں سے چھُڑانا چاہے ۔ تو اُس کو چاہیئے کہ خود بھی ویسا بنے ۔ ورنہ اُس کی نصیحت کا اثر نہ ہو گا ۔

جیہڑے مکھ سے تیکسے ، تیسی چالے نا نہہ !
مانس نہیں اوہ سوان گت باندھے جم پور جا نہہ

۱۸

کٹّڑ پنا بُرا ہے (گھنٹہ کرن)

تعصّب اچھا نہیں ۔ آدمی کو وسیع خیال والا بننا چاہیئے ۔

کہتے ہیں شیوجی کا ایک بھگت تھا ۔ بر شیو کو مانتا تھا ۔ مگر اور کسی کو کچھ نہیں سمجھتا تھا ۔ ایک دن شیوجی نے اس کو درشن دے کر کہا " اگر تو کٹّڑ پنا کرے گا تو میں راضی نہ ہوں گا ۔ یہ سُن کر گھنٹہ کرن چُپ ہو گیا ۔ اس کے پیچھے شیوجی نے پھر درشن دیا ۔ مگر آدھا جسم شیو کا اور آدھا وشنو

کا تھا۔ اس کو دیکھ کر بھگت آدھا خوش اور آدھا ناخوش ہوا شیو
کے رُوپ کا تو درشن کیا۔ مگر وشنو کی طرف نظر بھی اُٹھا کر نہیں
دیکھا۔ اس بات کو دیکھ کر شیو جی بولے "تو متعصب ہے۔ مَیں
نے یہ رُوپ اِس واسطے دھارن کیا تاکہ تو سمجھ سکے کہ جتنے دیوتا
دیوی ہیں۔ سب میرے ہی رُوپ ہیں، مگر تُو نہیں سمجھا۔ میری
بے عزتی کی۔ اُس کا بُرا پھل ملے گا"۔ اِس واقعہ کے بعد وہ
شخص ایک گاؤں میں آیا۔ لوگ اس کو وشنو کا مخالف سمجھ کر
چڑھانے کے لئے وشنو وشنو کہنے لگے۔ اُس نے اپنے دونوں کانوں
میں گھنٹے لٹکا لئے۔ تاکہ اُن کی بات کان میں نہ سمائے۔ اس نے
اس کا نام ہی گھنٹہ کرن پڑ گیا۔

گورپشو، نرپشو، نریاپشو، وید پشو سنسار
مانش سوئی جانیئے، جاہی بویک وچار

(۱۹)

نقل کرنے کا نتیجہ (چور)

ایک چور رات کے وقت کسی راجہ کے محل میں چوری
کرنے گیا۔ اور اُس نے راجہ کو اپنی رانی سے یہ کہتے ہوئے
سُنا۔ کہ مَیں اپنی لڑکی کا بیاہ کسی سادھو سے کروں گا۔ چور یہ
سُن کر سوچنے لگا۔ "یہ موقع بہت اچھا ہے۔ کل ہی سادھو کا
بھیس بنا لو۔ شاید راجہ میرے ہی ساتھ اپنی لڑکی کی شادی

کردے"۔ دوسرے دن صبح اُٹھتے ہی اُس نے ایسا ہی کیا۔ اتنے میں راجہ کے نوکر سادھوؤں کے پاس آئے، اور بولے "راجہ اپنی لڑکی ایک سادھو کے ساتھ بیاہنا چاہتا ہے۔ اگر آپ میں سے کوئی راضی ہوں تو ہم راجہ سے کہیں"۔ سادھوؤں میں سے کسی نے رضامندی ظاہر نہیں کی۔ آخر وہ اِس چور کے پاس آئے۔ جو مصنوعی سادھو بن بیٹھا تھا۔ چور چُپ چاپ رہا۔ کچھ نہ بولا۔ راجہ کے نوکر واپس گئے۔ کہا "کوئی سادھو راضی نہیں۔ صرف ایک جوان سادھو ہے۔ کیا عجب وہ راضی ہو جائے۔" راجہ مجبور ہو کر اُس کے پاس گیا۔ اور کہا "اگر آپ میری لڑکی کے ساتھ شادی کر لیں، تو بڑی کرپا ہوگی"۔ چور نے اپنے دل میں سوچا۔ "دیکھو بناوٹی سادھو ہونے کا یہ پھل ملا کہ راجہ میرے پاس خود چلا آیا اور ہاتھ باندھ کر میری منت کر رہا ہے۔ اگر میں سچا سادھو ہو جاؤں تو کتنا بھلا ہوگا"۔ یہ سوچ کر وہ شادی کے بدلے اپنے من کی شدھار کرنے لگ گیا۔ اور آخر کچھ وقت گزرنے کے بعد وہ اچھا سادھو بن گیا

کبھی کبھی اچھی بات کی نقل کرنے سے بھی اچھا پھل مل جاتا ہے ؛

(۲۰)

لالچ (حجام اور سات گھڑے)

ایک حجام ایک درخت کے نیچے سے ہو کر کہیں جا

رہا تھا۔ اتنے میں یہ آواز آئی "کیا سونے سے بھرے ہوئے سات گھڑے تو لے گا؟" حجام نے چاروں طرف نگاہ کی۔ کوئی آدمی نظر نہیں آیا۔ مگر سونے کے سات گھڑوں کا نام سُن کر لالچ سے اُس کے مُنہ میں پانی بھر آیا۔ اُس نے زور سے چلّا کر کہا "ہاں میں ساتوں گھڑوں کو لوں گا۔" اتنے میں پھر آواز آئی "تو اپنے گھر جا۔ سونے کے سات گھڑے میں نے تیرے گھر پہنچا دیئے۔" وہ اپنے گھر واپس آیا۔ گھڑے وہاں موجود تھے۔ اس کو سخت تعجب ہُوا۔ چھ گھڑے تو خوب سونے سے بھرے تھے۔ ساتواں صرف آدھا بھرا ہُوا تھا۔ یہ دیکھ کر حجام کو فکر ہوئی۔ "اگر یہ بھی بھر جاتا، تو کتنی اچھی بات ہوتی؟" اس کے پاس جتنے روپے اور چاندی سونے کے زیور تھے سب کو فروخت کر کے اشرفیاں خریدیں اور اس گھڑے میں ڈال دیں۔ مگر گھڑا پھر نہیں بھرا۔ حجام راجہ کے یہاں ملازم تھا اور راجہ اس سے خوش تھا۔ اس نے راجہ سے منّت کر کے کہا۔ میرا خرچ اب نہیں چلتا۔ تنخواہ بڑھا دیجئے اور راجہ نے اس کی تنخواہ دُونی کر دی۔ یہ سب روپیہ اس گھڑے میں جانے لگا۔ مگر گھڑا پھر بھی نہیں بھرا۔ ایک دن اس راجہ نے حجام کو فکرمند دیکھ کر کہا تو اتنا دُکھی اور اُداس کیوں رہتا ہے؟ جب تیری تنخواہ آدھی تھی، تب تُو خوش تھا۔ جب سے تنخواہ بڑھی ہے تو زیادہ پریشان ہو گیا۔ کہیں تجھ کو سات گھڑے تو نہیں مل گئے؟" یہ بات سُن کر حجام متعجب ہُوا۔ بولا "مہاراج!

آپ سے کس نے یہ بات کہی۔ راجہ بولا "تو نہیں جانتا۔ یہ علامات اُسی شخص کے ہوتے ہیں۔ جس کو شیطان اپنے سات گھڑے دے دیتا ہے۔

مجھ سے بھی شیطان نے ایک دن کہا تھا۔کہ سات گھڑے لے لے۔ میں نے پُوچھا خرچ کے لئے ہیں یا جمع کرنے کو؟ جب شیطان نے یہ بات سُنی خاموش ہو گیا اور بھاگ گیا۔ تو یہ نہیں جانتا، کہ کوئی اس دولت کو خرچ نہیں کر سکتا۔ اُن کو پاکر صرف جمع کرنے کی ہوس بڑھتی ہے۔بہتر ہے تُو اُن کو پھینک آ۔ نہیں تو ہمت دُکھی ہوگا۔

لالچ بڑی بلا ہے۔ جنہوں نے دولت کما کے خرچ کرنا نہیں سیکھا، اُن کی یہی حالت ہوتی ہے۔ ایسے روپیہ سے کنگال رہنا اچھا ہے۔ کیونکہ آدمی فضول ترک گامی ہوتا ہے۔

سہ

کبیر مایا موہنی دو پھل کے داتار

کہاں خرچن مکت گئے سنچت نرک دوار

۲۱

جھوٹا ورکت (جورو کا غلام)

ایک دن آج کل کی طرح نئی روشنی والا ایک آدمی گرہستی رہ کر ورکت بننے کی باتیں کر رہا تھا۔ اُس کی بات کو سُن کر بھگوان رام کرشن جی نے کہا "تم نہیں جانتے۔ آج کل کے گرہستی اور ورکت

کیسے ہوتے ہیں۔ وہ دھن کو اپنے پاس نہیں رکھتے۔ جو کماتے ہیں،
سب جورو کو دے دیتے ہیں، اور کہتے ہیں۔ ہم کو روپیہ سے کچھ
مطلب نہیں۔ مطلب روپیہ سے کیوں ہوگا؟ کام کاج سارے
گھر کا جورو کے سُپرد ہے اور جمع خرچ بھی اُسی کے ہاتھ سے
ہوتا ہے۔"

ایک دن کوئی براہمن ایسے مصنوعی ورکت کے پاس
مانگنے آیا۔ گرہستی ورکت نے کہا "مَیں پیسے کو کبھی نہیں چھُوتا۔
کیوں مجھ کو دِق کرکے وقت خراب کرتا ہے۔ براہمن نے اُس
کی کچھ نہ سُنی، اور ویسا ہی کھڑا رہا۔ یہ سوچ کر گرہستی ورکت
نے خیال کیا "اس کو ایک روپیہ دے دینا چاہیئے۔ اُس سے کہا
کل آنا۔ اگر ہو سکا تو کل کچھ دے دُوں گا۔" براہمن یہ سُن کر
چلا گیا۔ گرہستی ورکت نے اپنی جورو سے کہا۔ یہ براہمن بڑا دُکھی
ہے۔ اس کو ایک روپیہ دے دو۔ جورو جھنجھلائی۔ "تم بڑے
دانی بن گئے ہو۔ روپیہ نہ ہُوا کنکر پتھر ہُوا۔ جہاں چاہا ہو وہاں
بغیر سوچے سمجھے پھینک دو۔" اِس نے بہت منت کی۔ تب
جورو نے کہا "اچھا ایک دونی لینا ہو تو لو۔ اور اس براہمن
کو دو۔" بے چارے کیا کرتے۔ چپ چاپ کان دبا کر لے لیا۔ جب
براہمن آیا تو اُس کو صرف دو آنے ہی ملے۔ گرہستی ورکت ایسے
ہوتے ہیں۔

گرہست میں بھگت کہاوئی۔ چوکٹ چون نہیں دیئے
ہمہ جورو کا ہو رہا۔ نام گورو کا لیئے!

٢٢

چیلا (ایک بزاز اور اُس کا گورو)

ایک بزاز کسی غریب براہمن کا چیلا تھا، وہ بڑا کنجوس تھا۔ ایک دن براہمن کو اپنی پوتھی باندھنے کے لئے کچھ کپڑے کی ضرورت ہوئی۔ چیلے کے پاس جاکر ایک ٹکڑا گاڑھے گزی کا مانگا۔ بزاز بولا "مہاراج! اگر ذرا پہلے آپ نے کہا ہوتا تو میں ضرور کپڑے کا انتظام کر دیتا، اس وقت کچھ نہیں۔ ہو سکتا پھر کبھی کبھی اگر مجھ کو یاد دلاتے رہنا۔"

براہمن ناامید ہو کر چلا گیا۔ بزاز کی عورت پردے کے اندر بیٹھی ہوئی یہ سب سُن رہی تھی۔ اُس نے اُس کو نوکر سے بُلوا کر سارا ماجرا سُنا، اور کہا "کل صبح میں آپ کو کپڑا بھیج دُوں گی۔"

رات کے وقت جب بزاز گھر آیا۔ تو عورت نے کہا "کیا دُکان بند کر دی؟" اُس نے کہا "ہاں بند کر دی۔ مگر تم کیوں ایسا پُوچھتی ہو؟" عورت نے کہا "ابھی دُکان پر جاؤ اور اچھے سے اچھے دو ٹکڑے کپڑے کے لے آؤ" بزاز نے کہا "اس بات کی جلدی کیا ہے۔ میں اچھے سے اچھے ٹکڑے تم کو کل صبح لا دُوں گا۔" عورت نے کہا، "ذرا ہوش کی دوا کرو، ضرورت تو اسی وقت ہے۔ کل لے کر میں کیا کروں گی۔" بزاز نے سخت پیچ و تاب کھایا۔ سیدھا سادا

کیسے ہوتے ہیں۔ وہ دھن کو اپنے پاس نہیں رکھتے۔ جو کماتے ہیں، سب جورو کو دے دیتے ہیں، اور کہتے ہیں۔ ہم کو روپیہ سے کچھ مطلب نہیں۔ مطلب روپیہ سے کیوں ہوگا؟ کام کاج سارے گھر کا جورو کے سپرد ہے اور جمع خرچ بھی اُسی کے ہاتھ سے ہوتا ہے"۔

ایک دن کوئی براہمن ایسے مصنوعی ورکت کے پاس مانگنے آیا۔ گرہستی ورکت نے کہا "میں پیسے کو کبھی نہیں چھوتا۔ کیوں مجھ کو دق کر کے وقت خراب کرتا ہے۔ براہمن نے اُس کی کچھ نہ سُنی، اور ویسا ہی کھڑا رہا۔ یہ سوچ کر گرہستی ورکت نے خیال کیا" اس کو ایک روپیہ دے دینا چاہیئے۔ اُس سے کہا کل آنا۔ اگر ہو سکا تو کل کچھ دے دوں گا"۔ براہمن یہ سُن کر چلا گیا۔ گرہستی ورکت نے اپنی جورو سے کہا۔ یہ براہمن بڑا دُکھی ہے۔ اس کو ایک روپیہ دے دو۔ جورو جھنجھلائی۔ "تم بڑے دانی بن گئے ہو۔ روپیہ نہ ہُوا کنکر پتھر ہُوا۔ جہاں چاہو وہاں بغیر سوچے سمجھے پھینک دو"! اس نے بہت منت کی۔ تب جورو نے کہا۔" اچھا ایک دونی لینا ہو تو لو۔ اور اس براہمن کو دو" بے چارے کیا کرتے۔ چُپ چاپ کان دبا کر لے لیا۔ جب براہمن آیا تو اُس کو صرف دو آنے ہی ملے۔ گرہستی ورکت ایسے ہوتے ہیں۔

جگت میں بھگت کہاوئی۔ چوکٹ چون نہیں دیئے
سکھ جورو کا ہو رہا۔ نام گورو کا لیئے!

(۲۲)

چیلا (ایک بزاز اور اُس کا گورو)

ایک بزاز کسی غریب براہمن کا چیلا تھا، وہ بڑا کنجوس تھا۔ ایک دن براہمن کو اپنی پوتھی باندھنے کے لئے کچھ کپڑے کی ضرورت ہوئی۔ چیلے کے پاس جاکر ایک ٹکڑا گاڑھے گزی کا مانگا۔ بزاز بولا " مہاراج! اگر ذرا پہلے آپ نے کہا ہوتا تو میں ضرور کپڑے کا انتظام کر دیتا، اس وقت کچھ نہیں۔ ہوسکتا پھر کبھی اگر مجھ کو یاد دلاتے رہنا۔"

براہمن ناامید ہو کر چلا گیا۔ بزاز کی عورت پردے کے اندر بیٹھی ہوئی یہ سب سُن رہی تھی۔ اُس نے اُس کو نوکر سے بُلوا کر سارا ماجرا سُنا، اور کہا "کل صبح میں آپ کو کپڑا بھیج دُوں گی۔

رات کے وقت جب بزاز گھر آیا۔ تو عورت نے کہا "کیا دُکان بند کر دی؟" اُس نے کہا "ہاں بند کر دی۔ مگر تم کیوں ایسا پوچھتی ہو؟" عورت نے کہا "ابھی دُکان پر جاؤ اور اچھے سے اچھے دو ٹکڑے کپڑے کے لے آؤ" بزاز نے کہا "اس بات کی جلدی کیا ہے۔ میں اچھے سے اچھے ٹکڑے تم کو کل صبح لا دوں گا۔" عورت نے کہا، "ذرا ہوش کی دوا کرو، ضرورت تو اسی وقت ہے۔ کل لے کر میں کیا کروں گی۔" بزاز نے سخت پیچ تاپ کھایا۔ سیدھا سادا

براہمن دھرم گورو نہیں تھا۔ جو بہانہ سُن کر چلا جاتا۔ یہاں تو کسی زبردست گورو سے کام پڑا تھا۔ ڈر گیا۔ کہیں گھر میں جھگڑا نہ ہو جائے۔ چُپ چاپ دُم دبا کر آدھی رات کو دُکان پر آیا اور وہاں سے کپڑا لایا، دُوسرے دِن صبح کو اس عورت نے گورُو جی کے پاس کپڑے بھیج دیئے۔ اور نوکر سے کہلا بھیجا "جب کبھی کسی بات کی ضرورت ہو، تو مجھ سے کہلا دیا کیجئے۔ مَیں نذر کیا کروں گی"۔

سنساری دھرم کے گورو کی ایسی عزت کرتے ہیں۔ مگر جب گھر کے زبردست گورو سے کام پڑتا ہے۔ تو اِس طرح منہ کی کھانی پڑتی ہے۔

(۲۳)

دِھیان (سادُھو اور شکاری)

ایک سادُھو نے دیکھا کہ کسی شخص کی برات بڑے تزک احتشام سے نکل رہی ہے۔ سڑک پر تل رکھنے کی جگہ نہیں ہے۔ سڑک کے قریب ایک شکاری گولیلوں کو لیئے ہوئے چڑیوں پر نشانہ جما رہا تھا۔ اس کا دِھیان کچھ ایسا جم گیا تھا۔ کہ بارات کے آنے جانے کی اس کو کچھ خبر تک نہیں ہوئی۔ نہ باجے کی آواز کو سُنا، نہ بارات کا جلوس دیکھا۔ سادُھو نے کہا۔ "تم میرے گورُو ہو۔ جیسا تمہارا دِھیان ہے، ویسا ہی میرا دِھیان بھی ایشور میں لگے"۔

۲۴

دھیان (سادھو اور مچھلی پکڑنے والا)

ایک آدمی تالاب میں بنسی لگائے ہوئے مچھلی کی تاک میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک سادھو اُدھر سے گزرا۔ پوچھا "بھائی! اِس جگہ کا راستہ کون ہے"؟ آدمی نے کچھ جواب نہیں دیا۔ کیونکہ اُس نے بنسی کی طرف نظر جمائی تھی۔ جب مچھلی پکڑ چکا۔ سادھو پر نگاہ گئی۔ تب سادھو کے دوبارہ پوچھنے پر راستہ کا پتہ بتایا۔ سادھو بولا۔ "تم میرے گورو ہو۔ ایشور کرے، میرا بھی دھیان ایسا ہو کہ جب پرماتما کا دھیان کروں۔ دوسرا کوئی خیال پاس نہ آنے پاوے"۔

۲۵

ایشور کی کرپا (جپ کرنے والا)

ایک آدمی کو جپ کرتے ہوئے رام کرشن جی نے کہا۔ "ایک ہی جگہ کیوں بیٹھا رہتا ہے۔ اور کہیں کسی جگہ کیوں نہیں جاتا"؟ اُس نے جواب دیا۔ "بغیر ایشور کی مہربانی کے کچھ ہو نہیں سکتا"۔ اس پر پرم ہنس جی نے کہا "ایشور کی مہربانی کی ہوا ہر وقت بہتی رہتی ہے۔ اگر تو چاہتا ہے کہ بھوساگر سے پار ہو جائے۔ تو اپنی کشتی کے پال کو کھول دے۔ پرماتما کے دیا کی ہوا اس کو بہالے جائے گی۔

اس نصیحت کا مطلب یہ ہے۔ کہ ایشور کی کرپا اُس وقت پُوری پُوری آتی ہے۔ جب آدمی اُس کے اُوپر بھروسہ کر کے محنت کرے۔ اور سوائے اُس کے کسی اَور کا سہارا نہ لے ❁

(۲۶)

آگے بڑھتے جاؤ (لکڑی بیچنے والا اَور سدّھ)

ایک غریب لکڑی بیچنے والا جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتا تھا۔ اور ان کو شہر میں فروخت کرتا تھا۔ اس کو دیکھ کر ایک سدّھ کو دیا آئی۔ سدّھ نے اس سے کہا۔ "دوست! ایک ہی جگہ تم جنگل میں لکڑی کاٹتے ہو۔ آگے کیوں نہیں بڑھتے جاتے"؟ لکڑی کاٹنے والے نے سدّھ کی بات مان لی۔ دُوسرے دن وہ آگے کی طرف بڑھا۔ ایک چندن کا درخت ملا۔ اس کو فروخت کر کے اس کو بہت نفع ہُوا۔ اَور اُس کی حالت بدل گئی۔ سدّھ کی بات پھر اُس کو یاد آئی۔ وہ پھر آگے بڑھا۔ وہاں تانبے کی کان ملی۔ اِس سے خاطر خواہ نفع ملا۔ پھر اُس نے گورو کی بات کو یاد کر کے آگے کی طرف قدم بڑھایا اَور برابر بڑھتا گیا۔ اَور آہستہ آہستہ چاندی سونے اور قیمتی پتھروں کی کانیں اِس کو ملتی گئیں۔ جن کے پانے سے وہ بہت بڑا دولت مند ہو گیا۔

یہی حالت ادھیاتم گیان کے متلاشیوں کی ہوتی ہے۔ اُن کی رات دِن آگے بڑھنے کی دُھن ہونی چاہیئے۔ آگے بڑھنے

سے اُن کو سب کچھ مِل جاتا ہے ⁂

(۲۷)

سنساریوں کا بھجن (نارد منی اور کسان)

ایک مرتبہ نارد مُنی کے من میں غرور پیدا ہؤا، کہ میرے برابر دُنیا میں کوئی ایشور کا بھگت نہیں ہے۔ وشنو بھگوان نے اُن سے کہا۔" نارد! تم فلاں کسان کے پاس جاؤ۔ اس سے مِلو۔ وُہ میرا بڑا بھگت ہے"۔ نارد جی اُس کے پاس گئے۔ دیکھا کہ وہ معمولی کسان ہے۔ جو صبح کے وقت پرمیشور کا نام لے کر تمام دِن ہل جوتتا تھا اور شام کو جب تھک جاتا تھا۔ پھر ایشور کا نام لے کر سو جاتا۔ نارد نے اپنے من میں سوچا۔ یہ کسان کیسے بھگوان کا بھگت ہو سکتا ہے؟ سارے دِن یہ ہل جوتتا رہتا ہے۔ اس میں ذرا بھی بھگتی کی نِشانیاں نہیں ہیں۔ اس کو دیکھ کو نارد وشنو کے پاس واپس گئے۔ وشنو بھگوان نے پُوچھا "تم کو اس نے کیسے پایا؟" نارد مناسب جواب نہ دے سکے۔ تب بھگوان نے ایک کٹورا تیل سے بھرا ہؤا اُن کو دیا۔ اور کہا " اس کو ہاتھ میں لے کر تم فلاں جگہ جاؤ اور واپس آؤ۔ مگر اس میں سے ایک بُوند بھی زمین پر نہ گرے"۔ نارد جی نے ایسا ہی کیا۔ واپس آنے پر بھگوان نے پُوچھا۔ جب سے تم نے اس کٹورے کو ہاتھ میں لیا تھا۔ اس وقت سے اب تک کتنی دفعہ مجھ کو یاد کیا؟ نارد نے جواب دیا، ایک دفعہ بھی نہیں۔ کیونکہ میرا

سارا دِھیان کٹورے پر تھا۔ آپ کو کیسے یاد کرتا"؟ بھگوان نے کہا" نارد! دیکھو ایک تیل کے کٹورے کے ہاتھ میں لینے سے تمہاری یہ حالت ہوئی کہ مجھ کو ایک دفعہ بھی یاد نہ کر سکے۔ بالکل بھول گئے۔ وہ کسان اپنے تمام کُنبے کا بوجھ اپنی گردن پر رکھتا ہے۔ پھر بھی صبح شام مجھ کو یاد کیا کرتا ہے"۔

نارد جی چُپ ہو گئے۔

۳۸

گُرو اور منتر (مستول کی چڑیا)

ایک چڑیا جہاز کے مستول پر بٹھائی گئی تھی۔ جہاز سمندر میں جا رہا تھا۔ چاروں طرف جہاز کے پانی تھا۔ اور کوئی جگہ اس کو نہیں سُوجھتی تھی۔ جہاں وہ جا کر بیٹھتی۔ چڑیا نے سوچا کہ" میں رات دن کیسے اس مستول پر اپنے دِن کاٹوں۔ کہیں کوئی ہرا پیڑ یا جنگل مِل جاتا، تو وہاں چلی جاتی اور رہتی جو ہو۔ میں کوئی جگہ اپنے لئے ایسی ضرور تلاش کروں گی"۔ یہ سوچ کر چڑیا اُڑی۔ اور کوسوں تک پُورب کی طرف سمندر ہی میں گئی۔ کہیں زمین کا پتہ نہیں مِلا۔ اِسی طرح پچھم۔ اُتر۔ دکھن کی طرف بھی کیفیت رہی۔ کوسوں تک سہارے کا نام و نشان نہیں مِلا۔ نہ درخت یا جنگل دِکھائی دِیا۔ جب وہ اُڑتے اُڑتے تھک گئی اور نا اُمید ہو گئی۔ تب پھر اسی مستول کی چوٹی پر آ کر بیٹھ گئی۔ اُس نے ارادہ کر لیا "اب یہاں سے میں کہیں نہ

جاؤں گی"۔ اس دن سے اُس میں شانتی آگئی اور سُکھ سے رہنے لگی۔

اسی طرح سچے گورو کے منتر اُپدیش چیلے کے لیے مفید ہوتے ہیں۔ اُنہیں کے سہارے ہو کر شاگرد مایا کے بے حد و حساب لمبے چوڑے سمندر میں رہتا ہے۔ اور اُس کو یقین ہو جاتا ہے۔ کہ سوائے گورو کے اُپدیش کے اور مجھ کو بچانے والا کوئی بھی نہیں ہے ٭

۲۹

دِھیان

ایک سادھو نے دیکھا کہ ایک سارس آہستہ آہستہ مچھلی پکڑنے جا رہا ہے۔ پیچھے شکاری کمان سے تیر جوڑے ہوئے اُس کے مارنے کی فکر میں کھڑا ہے۔ مگر سارس کا دِھیان اس طرح مچھلی کی طرف ہے کہ اُس کو شکاری کی خبر تک نہیں۔ سادھو نے یہ حالت دیکھ کر کہا۔ تجھ کو نمسکار ہے۔ جب مَیں ایشور پر دِھیان کروں۔ یہی حالت میری بھی ہو ٭

۳۰

ایک سادھو اور کانچ کا قلم

ایک سادھو کانچ کے قلم کو رات دِن دیکھ کر ہنستا رہتا تھا۔ کسی نے اُس سے پُوچھا، کہ بابا جی! آپ اس قلم کو کیوں

دیکھ کر ہنستے ہیں ؟ اُس نے جواب دیا " اس قلم میں مختلف قسم کے رنگ ہیں - نیلے پیلے زرد - جیسے یہ رنگ جھوٹے ہیں، ویسے ہی یہ سنسار بھی جھوٹا ہے - گو ان رنگوں کی طرح وہ سچا نظر آتا ہے ؛

(۳۱)

ایشور کے بھجن کا پھل (آم کے باغ میں دو آدمی)

دو آدمی آم کے باغ میں گئے - اُن میں سے وہ جو اپنے کو ہوشیار سمجھتا تھا - باغ کے درختوں کو گننے لگا کہ ایک ایک درخت میں کتنے پھل لگے ہوئے ہیں - اور باغ کی قیمت کیا ہوگی ؟ دُوسرا بیچارہ سیدھا سادہ آدمی تھا - باغ کے مالک سے جا کر ملا - اور آم توڑ توڑ کر کھانے لگا - اب کہیئے اِن دونوں میں سے کون اچھا تھا ؟ آم کھاؤ گے تو پیٹ بھرے گا ، درختوں کے گننے یا پتوں کے شمار کرنے سے کیا لابھ ہو گا ؟

سنساری لوگ ناحق دلیل و حجت بازی میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں - وہ لوگ اچھے ہیں - جو ایشور بھگتی کی کمائی کر کے آنند بھوگتے ہیں -

ناسکھ ودیا کے پڑھے ناسکھ باد بواد
سادھ شنکھی ہنجو کہیں لاگی سن سماد

ے بحث مباحثہ ے سہج یا

(۳۲)

گیانی اور بھگت میں فرق

ایک گیانی اور ایک بھگت جنگل میں چلے جا رہے تھے۔ راستے میں اُن کو ایک شیر ملا۔ گیانی بولا "بھاگ کر کیا کریں گے۔ ایشور ہم کو ضرور بچا دے گا"۔

بھگت نے کہا "نہیں بھائی! چلو بھاگ چلیں، جس کام کو ہم آپ کر سکتے ہیں۔ اِس کے لئے ایشور کو کیوں تکلیف دیں؟"

پڑھنے والو! غور کرو۔ ان میں سے کون اچھا ہے؟

(۳۳)

مایا جیو اور برمھ

جب رام جی بن باس کو گئے تو آگے رام، پیچھے سیتا اور اُن کے پیچھے لکشمن جی تھے۔ جب لکشمن جی یہ چاہتے تھے۔ "سیتا جی! تم ذرا ہٹ جاؤ تو مَیں رام جی کا درشن کروں"۔ اور جب سیتا ہٹ جاتی تھیں۔ تب لکشمن کو رام کا درشن ملتا تھا۔

اِس طرح برہم اور جیو کے درمیان مایا ہے۔ جب تک یہ نہیں ہٹ جاتی، تب تک جیو کو برمھ کا درشن نہیں ملتا۔

آسا کا ایندھن کرو ۔ منسار کرو بھبھوت
جوگی پھیری یوں پھرو تب بن آوے سُوت

۳۴

گُورو جی اَور چمار نوکر

جب آدمی ایک مرتبہ مایا کو پہچان لیتا ہے۔ تب وہ اس سے دُور رہ جاتی ہے۔

ایک گُورو کسی چیلے کے یہاں جا رہا تھا۔ راہ میں ایک چمار مِلا۔ گُورو نے کہا "تو میری نوکری کر لے۔ تجھ کو خُوب کھانا مِلے گا۔ اَور کِسی بات کا دُکھ نہ ہوگا۔ چمار نے کہا "مہاراج! مَیں ذات کا چمار ہُوں، آپ کی نوکری کیسے کرُوں"؟ گُورو نے کہا "کیا ہُوا، نوکری کر لے۔ کِسی سے اپنی ذات نہ بتانا، نہ کِسی سے بات چیت کرنا"۔ چمار اس بات پر راضی ہو گیا۔ شام کے وقت براہمن اور چمار دونوں شاگرد کے گھر پہنچے۔

ایک براہمن نے اس نوکر سے کہا "ذرا جُوتا اُٹھا لانا"۔ مگر وہ کچھ نہ بولا۔ براہمن نے دُوسری دفعہ کہا۔ یہ ویسے ہی خاموش رہا۔ تیسری مرتبہ بھی یہی حالت رہی۔ تب براہمن جھنجھلا کر کہنے لگا۔ "کیوں رے تو چمار تو نہیں ہے جو بولتا نہیں؟" چمار خوف کے مارے کانپنے لگا۔ اَور گورو جی کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔ گُورو جی! گورو جی! مجھ کو لوگ پہچان گئے۔ اَب مَیں یہاں نہ رہوں گا"۔

یہ کہہ کر وہ وہاں سے بھاگ گیا ۔

سورٹھہ

آندھی آئی پریم کی ۔ ڈھئی[1] بھرم کی بھیت[2]
مایا ٹاٹی اُڑ گئی ۔ لگی نام سول پریت

۴۵

دو سادھو راہ میں چلے جاتے تھے ۔ دونو شانت تھے ۔ دونو کو غصّہ نہیں آتا تھا ۔ سبب پُوچھنے پر ایک نے کہا :۔ "میں اِس لئے غُصّہ نہیں کرتا ۔ کیونکہ میں جانتا ہُوں ۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھ کو پچھتانا پڑے گا"۔ دُوسرا بولا " مجھ کو اس وجہ سے غُصّہ نہیں آتا کہ اِس سے میرے چِت کے بِگڑ جانے کا خوف رہتا ہے ۔ میں جان گیا ہُوں ، غُصّہ کرنے سے کمزور ہو جاؤں گا اور دُشمن مجھ کو مغلوب کریں گے "۔

---

[1] گِر گئی [2] دیوار

حصّۂ دوم

چند دیگر دلچسپ قصّے

سانپ اور سادھو

دُنیا میں اچھی طرح زندگی بسر کرنا اُور سُکھ کے ساتھ رہنا اُن کو نصیب ہوتا ہے - جو گیان والے ہیں۔ راہ ٹیڑھی ہے - قدم قدم پر ٹھوکر کھانے کا خوف رہتا ہے - مگر جس کو گیان ہے، وہ اپنے طور و طریقوں کو ایک خاص قسم کے سانچے میں ڈھال کر سلامت روی کے ساتھ اپنی دُنیا وی زندگی کی میعاد پُوری کر جاتے ہیں۔ روتے آتے ہیں؛ اور ہنستے جاتے ہیں - کرم کا بوجھ ساتھ لاتے ہیں - چلتے وقت خالی ہاتھ جاتے ہیں - کال اور مایا کو پھر جرأت نہیں ہوتی۔ کہ اُن کے دامن کو کرم کے کانٹوں سے اُلجھا سکیں -

کہتے ہیں، ایک سادھو کا گزر کسی جنگل میں سے ہُوا - شاہراہ پر ایک خوفناک سیاہ رنگ کا لمبا چوڑا سانپ لیٹا

ہُوا تھا۔ اِس میں اِنسان کے ساتھ دُشمنی کرنے کے وُہ علامات نہیں تھے، جو سانپ سے مخصوص ہیں۔ سادھو پوتر آتما تھا۔ قُدرت کے راز سے ماہر علم معرفت کا اُستاد روحانی باریکیوں کا سمجھنے والا۔ وہ درختوں کے برگ وبار سے روحانیت کے سبق سیکھتا تھا۔ دریا۔ جنگل، پہاڑ بے زبان کہلاتے ہُوئے اُس سے ہم کلام ہوتے تھے۔ قدرت کی کتاب اُس کے مطالعہ کے لیئے ہر وقت کھُلی رہتی تھی۔

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفترے ست معرفتِ کردگار

جس طرف وہ نگاہ کرتا تھا۔ مالک کی صناعی کے کرشمے اس کے دِل کو اپنی طرف کھینچتے تھے۔ اور وہ جو جانوروں کی جان، پرانوں کا پران ہے۔ اس کو ہر چیز میں نظر آتا تھا۔

کہ بچشمانِ دِل مبیں جز دوست
ہر چہ بینی بداں کہ مظہر اوست

جس معبود کی تلاش میں دُنیا بھٹکتی پھرتی ہے، وُہ خود عاشق صادق کی طرح اُس پاک نفس سادھو سے ایک دم کے لیئے علیحدہ نہیں ہوتا تھا۔

پیچھے پیچھے ہر پھریں کہیں کبیر کبیر

سادھو کا دِل پریم کے اثر سے بھرا ہُوا تھا۔ تمام دُنیا کی مخلوقات کے لیئے اُس کے وسیع دِل میں جگہ

تھی حسد، نفرت اور دشمنی کا گزر وہاں کیسے ہو سکتا ہے۔ جہاں پریم سروپ پرماتما بستا ہے۔ برہما سے لے کر چیونٹی تک سب اسی کاریگر کے ہاتھ کے کھلونے ہیں۔ کھلونے ہی نہیں۔ اس کے بال بچے ہیں۔ وہ باپ ہے۔ یہ سب اُس کے لڑکے ہیں۔ جو باپ کو جانتا ہے، وہ بیٹے سے نفرت کیسے کر سکتا ہے۔ سادھو نے اُس سچے محبوب کی قربت کے خیال سے دنیا کو ترک کر دیا تھا۔ بھلا وہ پریتم کے چھوٹے سے چھوٹے اور حقیر سے حقیر بندے کی کیسے تحقیر کر سکتا ہے یا اُن کو تکلیف دے سکتا ہے۔

۵

سیا رام مے سب جگ جانی
کروں پرنام جور جگ پانی

سانپ کے قریب پہنچ کر سادھو نے پریم اور محبت کے لہجہ میں کہا۔ "اے سانپ! تو میرے رہگذر کے بیچوں بیچ پڑا ہوا ہے۔ کیا تو ذرا کنارے کھسک نہیں سکتا، تا کہ میں گزر جاؤں؟ میں تیرے اوپر سے گزرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ تو اُس کے ہاتھ کا بنا ہوا ہے۔ جس کی میں پرستش کرتا ہوں۔ تو بھی کبھی نہ کبھی دن میری حالت اور حیثیت تک پہنچے گا، اور میری طرح اُس قابلِ تعظیم معبود کی بندگی بجا لائے گا۔

سانپ نے اپنے پھن کو اونچا کیا۔ اور عاجزی و انکسار لہجہ میں جواب دیا۔ "تقدس مآب سادھو میں تیری ہی زیارت کے لئے راہ میں پڑا ہوں۔ مدت سے تمنا تھی کہ کوئی سادھو

ملے۔ تاکہ اُس سے دردِ دل کہہ کر نجات کی صُورت پیدا کروں ؎

سُکھ دیویں دُکھ کو ہریں دُور کریں اپرادھ
کہیں کبیر وہ کب ملیں پرم سینہی سادھ

مہاتما تُم حُکم کرو۔ مَیں راہ سے ہٹ جاؤں گا۔ مَیں کیسی بُری زندگی بسر کرتا ہوں۔ پیٹ کے بل چلتے چلتے عاجز آگیا ہوں۔ مَیں بھی چاہتا ہوں۔ کہ اِنسان بنوں۔ اور مجھ کو اعلےٰ زندگی کا لُطف حاصل ہو۔ مَیں نے بہت پاپ کئے ہیں۔ کتنے چرند پرند مَیں نے ہلاک کئے ہیں۔ کتنے حشرات الارض میری وجہ سے مُصیبت میں پڑے۔ تمام زہر میرے مُنہ میں ہے۔ میرا کاٹا ہُوا بچتا نہیں۔ کیا کوئی تدبیر ہے، جس سے میرے ایسا حقیر و پاپی شخص بھی بہتر بن سکے۔ کیسے اور کس طرح مجھ کو اپنے آپ سے نجات مِل سکتی ہے؟ مَیں کیا کروں تاکہ کوئی بھی مجھ سے نفرت اور خوف نہ کرے؟ لوگ کہتے ہیں۔ سادھو کے اُپدیش سے آدمی بہتر بن جاتے ہیں۔ تُم میرے اوپر رحم کرو ؎

سادھو نے جس کی دولت پریم تھا، درد اور محبّت کے لہجے میں کہا:۔

"دِل میازار ہرچہ خواہی کُن"

اے سانپ! تُو لوگوں کو زخمی کرنا چھوڑ دے۔ اور تیری مغفرت کا دروازہ خود بخود کُھل جائے گا۔ یہی دھرم یہی کرم، یہی بھگتی۔ یہی بھاؤ ہے ؎

اور سانپ نے جب اُس کے مختصر اُپدیش کو سُن لیا ۔ راہ سے ہٹ گیا ۔ سادھو بھی اپنی راہ چلا گیا ؏

دِن کے وقت جب سُورج کی کرنوں، تختۂ عالم کو نُور، اعلےٰ نُور کر دیا ۔ سانپ اِسی طرح سڑک پر پڑا ہوُا تھا ۔ آنکھیں بند تھیں ۔ وہ "اہنسا" کے اصُول پر دِل ہی دِل میں غور کرتا رہا۔ اُس کے جسم کے بِنتّے دھُوپ میں چمکتے تھے ۔ جنگلی گاؤں کے گائے کے چرانے والے لڑکوں کا ہجوم کھیلتا کودتا ہوُا اُدھر آ نکلا ۔ سانپ کا دیکھنا تھا، کہ سب کے ہوش جاتے رہے ۔ سب خوف سے تھرا گئے ۔ آخر اپنے اپنے گھروں کو بھاگ گئے ؏

دُوسرے دِن وہ پھر اُسی طرف سے ہو کر نِکلے، سانپ ویسا ہی پڑا ہوُا تھا ۔ اُس نے ذرا بھی پہلُو نہیں بدلا تھا ۔ لڑکوں نے سوچا "یہ مُردہ ہے" اور لکڑی لے کر اُس کو کھودنے لگے ۔ سانپ کو دُکھ ضرور ہوُا، مگر نہ اُس نے سر اُونچا کیا ۔ نہ کسی کو کاٹ کھایا ۔ لڑکے دلیر ہوتے گئے ، اور جیسے جیسے دِن گزرتے گئے ۔ سانپ کی دُرگت ہونے لگی ۔ کوئی اُس کو پتھر سے مارتا، کوئی ڈنڈے اور لکڑی سے اُس کو زخمی کرتا ۔ یہاں تک نوبت آ گئی ، کہ لڑکے اُس کے پھَن کو پکڑ کر ہاتھوں سے مُنہ کھول دیتے ، اور اس میں مٹی بھر دیتے ۔ چند کمسن لڑکوں کو اِتنی جرأت ہو گئی تھی ، کہ وہ اپنا ہاتھ اُس کے حلق تک ڈال دیا کرتے تھے ۔ مگر سانپ نے کسی کو بھی تکلیف نہیں دی ۔ سادھو کے اُپدیش نے اِس

کو کچھ کا کچھ بنا دیا تھا۔ وہ خوف کی وجہ سے اپنے دانت کو
دبائے رکھتا تھا، تاکہ کسی بچے کے جسم میں خراش نہ جائے اور
اُس کے زہر سے کہیں مر نہ جائیں۔ لڑکے اُس کو جس قدر ستاتے
تھے۔ وہ اُتنی ہی زیادہ اُن کی سلامتی اور تحفظ کا خیال رکھتا
تھا ؛

کئی دن تک یہ حالت رہی۔ لڑکے اُس کو پکڑ کر کھیلتے
رہے۔ اُس کو سخت تکلیف دی گئی۔ مگر اُس نے کسی کو بھی نہیں
کاٹا۔ ایک دن ایسا اتفاق ہؤا۔ ایک لکڑ ہارے نے جنگل میں
بہت سی لکڑیاں اکٹھی کی تھیں۔ گٹھے کے باندھنے کے لئے
اس کے پاس رسی نہیں تھی۔ اُس کی نگاہ سانپ پر پڑی۔
سوچا، یہ یا تو مُردہ ہے یا بہت بُڈھا ہے۔ معصوم معلوم ہوتا
ہے۔ لاؤ اِسی سے اپنے گٹھے کو باندھ لیں ؛

وہ بلا تامل بلا خوف ہو کر اُس کو اُٹھا لایا، اپنے گٹھے
کو باندھ لیا۔ مگر اُس باندھنے کے صدمے سے سانپ کا جسم
تمام زخمی ہو گیا، اور جگہ جگہ سے خون بہنے لگا۔ وہ لکڑ ہارے
کو اس بے رحمی کی سزا بآسانی دے سکتا تھا، مگر گورو کا اُپدیش
سدِّ راہ تھا۔ قہر درویش برجان درویش ؛

لکڑ ہارے نے گھر پر پہنچ کر گٹھے کو زمین پر ٹپک دیا، اور
سانپ کو کھول کر علیحدہ کر دیا۔ بے چارہ وہاں دیر تک دَرد کے
مارے تڑپتا رہا۔ زخموں سے خون کے فوارے جاری تھے ؛

گھنٹوں وہ وہاں پڑا رہا۔ جب دَرد سے سخت تکلیف ہونے

لگی۔ اُس نے سر اُٹھایا، آنکھیں کھولیں۔ دیکھا وہی سادھو سامنے کھڑا ہے۔ جس نے اُس کو نیک بن جانے کی ہدایت کی تھی۔ سانپ نے رو کر اُس سے کہا۔ بھگوان! اپنے داس کی حالت دیکھئے۔ پہلے کیسا خوبصورت، چکنا اور صحیح البدن تھا۔ آج میری کیا حالت ہے سارا جسم زخموں سے چھلنی بن گیا ہے، خون بہہ رہا ہے۔ کیونکہ آدمیوں نے مجھ کو معصوم سمجھ کر اُدھ مرا کر دیا۔ مَیں نے ان کو کاٹا نہیں۔ کیونکہ آپ نے کاٹنے سے منع کیا تھا۔ مہاتما! آپ سادھو ضرور ہو، گیانی ہو، بدھیمان ہو۔ مگر آپ کی ہدایت نے میرے ساتھ زہر کا کام کیا۔ آپ نے یہ کیوں کہا۔ کاٹنا چھوڑ دے۔ پرماتما نے مجھ کو کیا عجب اِس مصیبت سے بچنے کے لئے نوکیلے اور تیز دانت دِیئے تھے۔

سادھو نے غور کے ساتھ سانپ کی آنکھوں کی طرف نظر جما کر کہا "اے نادان مگر قابلِ رحم شاگرد! مَیں نے تجھ سے یہ ضرور کہا تھا کہ کاٹنے کی عادت چھوڑ دے۔ مگر یہ کبھی نہیں کہا تھا کہ تو اپنی پھنکارنے کی عادت کو بھی ترک کر دے۔ جو تیری سادگی اور معصومیت کا فائدہ اُٹھاتے ہیں، اُن کو پھنکارتا کیوں نہیں۔ پھنکارنے کی عادت تجھ کو صرف اِس لئے دی گئی تھی، تاکہ جو لوگ تجھ کو نیک سمجھ کر چھیڑنے کا حوصلہ کریں۔ اُن کو پاس آنے کا موقع نہ ملے۔ تجھ کو چاہیئے تھا، کہ اس سے اچھی طرح کام لیتا۔ تو نے ایسا نہیں کیا۔ اِس لئے مصیبت میں مبتلا ہوا۔"

حفاظت خود اختیاری قدرتی قانون ہے، جو ہر مخلوق

کے دل میں ہمیشہ اثر انداز رہتا ہے۔ وہ ایک ہتھیار ہے۔ تاکہ دشمنوں کے حملہ سے حفاظت کیا کرے۔ آدمی اس ہتھیار سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اُسے سانپ اب بھی تیرا کچھ نہیں بگڑا۔ جب کوئی تیرے پاس دُکھ دینے کی نیت سے آوے، تو پھن اُٹھا کر پھنکار دے۔ سب خود بخود دُور بھاگ جائیں گے۔ اور تُو صدمہ سے محفوظ رہے گا۔ آدمی سایہ کو دیکھ کر ڈر جاتے ہیں۔ تیری پھنکار میں اصلیت ہے۔ وہ اُس کو سُن کر کبھی پاس نہ آویں گے۔ پھنکارنا دِل آزاری نہیں ہے۔ حفاظت خود اختیاری ہے۔ اگر تُو نے اِس سے کام لیا ہوتا تو تیرا چکنا اور خوبصورت جسم آج اِس قدر زخمی نہ ہُوا ہوتا"۔

سادھو کے جاتے ہی سانپ نے پھنکارنا شروع کیا۔ اور تھوڑی ہی دیر بعد لوگ اپنی اپنی جان لے کر بھاگ گئے۔ تب اُس غریب نے پھسلتے ہُوئے کسی غار میں جا کر پناہ لی۔ اور جب تک زندہ رہا۔ پھنکارنے کی عادت کی وجہ سے کسی بد نیت شخص کو اُس کے پاس آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس نے کسی کو صدمہ نہیں پہنچایا۔ نہ کوئی اُس کے زہر سے ہلاک ہُوا۔ وہ مدت العمر تک جیتا رہا، اور سادھو کے اُپدیش سے پُورا فائدہ اُٹھایا ۔

جن کو ذرا بھی عقل و تمیز ہے۔ اُن کی ہدایت کے لیئے اِس فرضی کہانی میں بہت کچھ سامان موجود ہے ۔

۲

سمجھ سمجھ کا پھیر

مُسلمان کہتے ہیں۔ دوزخ ایک خوفناک و دائمی آتش کدہ ہے۔ جہاں گنہگار لکڑیوں کی طرح جلتے ہیں۔ سکنڈنیویا کا مذہب کہتا ہے۔ دوزخ دائمی برفستاں ہے۔ جہاں آدمی کے ہاتھ پاؤں مارے سردی کے جکڑ جاتے ہیں۔

ہندوؤں کا عام عقیدہ ہے کہ دوزخ نرک کُنڈ ہے۔ جس میں سخت تعفن ہے۔ بدبو ہے، ناپاکی اور غلاظت ہے۔ یہ دوزخ کے تین خیال ہیں۔ جو دُنیا کے تین مذہب ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ سچ کیا ہے؟ ہمارا پہلا جواب تو یہ ہوگا:-

ہم کو معلوم ہے دوزخ کی حقیقت لیکن
نظم و نسق سے دُنیا کے خیال اچھا ہے

دُوسرا جواب یہ ہے کہ اُن آدمیوں کا مذہب جن کو رُوحانی تکمیل کا موقع نہیں ملا۔ اُن کے اِرد گرد کے حالات و واقعات کی "گاڑھی" اور "گھنی" تصویر ہوتا ہے۔ "گاڑھی" اور "گھنی" لفظ بھدے ہیں۔ ہماری زبان میں کوئی ان کو استعمال نہیں کرتا۔ مگر یہ ہمارے مطلب کے اظہار میں زیادہ مدد دیتے ہیں۔ عربستان کا مُلک ریگستان ہے۔ جہاں

بادِ سموم کے جھونکوں سے درخت سوکھ جاتے ہیں۔ آدمی مر
جاتے ہیں۔ حد درجہ کی گرمی میں تکلیف زیادہ ہوتی ہے۔
عربی مذہب نے خواہ اُس کی اِبتدا موسےؑ سے ہوا محمدؐ
سے دوزخ کے خیال کو "دائمی آتش کدہ" میں مکمل کیا۔
کیونکہ آگ کی گرمی سے زیادہ اور کیا چیز تکلیف دے سکتی
ہے؟ سیکنڈے نیویا (ناروے و سویڈن کے مُلک) میں وہ
زبردست سردی پڑتی ہے، کہ جس کا کوئی حد و حساب نہیں۔
وہاں گرمی کا موسم نہایت خوشگوار اور بابرکت سمجھا جاتا ہے۔
وہاں کے باشندوں نے دوزخ کو دائمی برفشاں تصور کیا۔
ہندوستان میں گرمی و سردی اعتدال کے ساتھ ہوتی ہے۔
ہندو دِن میں دو دفعہ نہاتے ہیں۔ کپڑے صاف و ستھرے
رکھتے تھے۔ چوکا دے کر کھاتے تھے، صفائی رکھتے تھے۔
ان کے نزدیک دوزخ وہ جگہ سمجھی گئی۔ جہاں حد درجہ کی
غلاظت، کراہت اور تعفن تھی۔ اسی طرح اِن قوموں نے
بہشت کی بھی الگ الگ تصویر کھینچی ہے۔ سمجھنے والے اِن
سے بہ آسانی سمجھ سکتے ہیں۔ کہ مذہبی خیالات کی جڑ میں
اِردگرد کے حالات واقعات و اثرات و طرزِ معاشرت کس
حد تک اثر انداز رہتے ہیں۔

ایک افیونچی سے کسی نے کہا "بھائی! تم تو کوئی
گناہ نہیں کرتے۔ بہشت میں جاؤ گے"۔ اُس نے پوچھا
"بہشت میں افیون ملے گی؟ تمباکو پینے کے لئے آگ بھی

ملے گی کہ نہیں؟" جواب دیا گیا۔ "بہشت میں افیون، آگ اور تمباکو کہاں"۔ افیونچی نے ناک سکوڑ کر کہا "اونہہ ہم ایسی بہشت میں جا کر کیا کریں گے؟

جن کو اپنی رُوحانی تکمیل کا خیال ہو، اُن کی نگاہ بلند ہونی چاہیئے، تاکہ اصلیت کی بھی کچھ خبر ملے۔

(۳)

زبردستی کا قانون اور رحم کا قانون

راجہ کا دربار گرم تھا۔ مقدمات کی سماعت ہو رہی تھی۔ دو کمسن خوبصورت لڑکے مستغیث بن کر حاضر ہوئے۔ راجہ اُن کی طرف مخاطب ہوا۔ لڑکو! تم کیا چاہتے ہو؟" اور ان میں سے اُس نے جو ذرا شوخ مزاج تھا۔ جواب دیا۔ "یہ راج ہنس جو راج کمار بغل میں لیئے ہوئے ہیں۔ میرا ہے۔ مگر یہ مجھ کو نہیں دیتے۔ سب سمجھا کر تھک گئے۔ اس لئے ہم دونو عدالت میں حاضر ہوئے ہیں۔ آپ کے ہاتھ ہمارا انصاف ہے"۔

راجہ نے نابالغ لڑکوں کو توجہ کی نگاہ سے دیکھ کر پوچھا۔ "دیودت! کس قانون کی رُو سے تم اِس راج ہنس کے دعویدار ہو؟" دیودت بولا "زبردستی اور طاقت کے قانون سے اس پر میرا حق ہے۔ آپ سُنیئے۔ پرسوں صبح کا وقت تھا۔ جب آسمان پر راج ہنسوں کا جھنڈ منڈلا

ہُوا اُڑا چلا جا رہا تھا۔ راج کمار سِدّھارتھ اُن کو دیکھ کر خوش ہُوا، اور اپنی عادت کے موافق اُن کے رنگ رُوپ آواز وغیرہ پر وچارنے لگا۔ مَیں نے اپنی کمان ہاتھ میں لی۔ اور میرے کبھی نہ خطا کرنے والے تیر نے اُس کو زخمی کر کے زمین پر گرا دیا۔ چونکہ مَیں نے اس کو تیر کا نشانہ بنایا تھا۔ اِس لئے یہ میرا ہے۔ راج کمار کا نہیں ہے"۔

راجہ نے دُوسرے لڑکے کی طرف جو مزاج کا حلیم تھا۔ نظر کی۔ "سدھارتھ! تم بتا دو۔ کِس قانون کی رُو سے یہ پرندہ تمہارا ہے"؟ اور آئندہ زمانہ کے رُوحانی مُعلّم نے خوش آئند لہجہ میں جواب دیا۔ "مہاراج! مَیں رحم اور دیّا کے قانون سے اِسکا دعوٰے کرتا ہُوں۔ یہ سچ ہے۔ دیودت نے اس کو مارا۔ مارنا دراصل ایک چیز کے ضائع کر دینے کا نام ہے۔ نہ وہ مارنے والے کی رہتی ہے۔ نہ اوروں کی۔ تڑپتا ہُوا راج ہنس زمین پر آ رہا۔ اُس کے پَر خون کے بہنے سے رنگین ہو رہے تھے۔ مجھ کو ترس معلوم ہُوا۔ مَیں نے جھپٹ کر دَیّا بھاؤ سے اُس کو گود میں لے لیا۔ زخموں پر مرہم پٹی لگائی۔ اُس کو مرنے سے بچا لیا۔ اس لئے یہ میرا ہے"؟

راجہ شُدھو دھن مقدمہ سُن کر متعجب ہُوا۔ وزیروں سے مخاطب ہو کر پُوچھنے لگا "تم بتاؤ۔ ان میں سے کون صحیح اور کون غلط ہے"؟ وزیر خاموش ہو گئے۔ اِتفاق سے دربار میں ایک سادھو موجود تھا۔ اُس نے

ہنس کر کہا "اس مقدمہ کا فیصلہ راج ہنس کی شہادت پر چھوڑنا چاہیئے۔ جس کے بُلانے سے وہ اُس کے پاس آ جائے۔ اُسی کا ہے" ٭

راج ہنس کو آزاد کیا گیا۔ سب سے پہلے دیودت نے اُس کو بُلایا، مگر اُس نے اپنا رُخ پھیر لیا، مگر جس وقت سدھارتھ نے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ سمجھ دار ہنس پروں کو پھڑ پھڑاتا ہُوا اُس کے پاؤں کے پاس آ کر محبت کا اظہار کرنے لگا۔ اور راج کمار نے اُس کو اپنی گود سے چمٹا لیا ٭

اس قسم کا نظارہ دیکھنے والوں کے لئے خاص قسم کا لُطف رکھتا ہے۔ حق چاہے کِسی کا رہا ہو مگر رحم اور دیا کے خیال نے دِلوں کو متاثر کر دیا ٭

راج ہنس سدھارتھ کا ہو گیا۔ اور اُس نے ہنس کو اونچا کر کے کہا "اے ہمالیہ کے آزاد پرندہ اُڑ جا اپنے وطن کو واپس جا۔ تیرے دوست اور عزیز گھبراتے ہونگے۔ مَیں چاہتا تھا کہ تو میرے پاس میرا ہو کر رہے۔ مگر تیرے بچوں کے خیال سے مَیں تجھ کو آزاد کرتا ہوں۔ اب میرا بھائی تجھ کو نہیں ستا دے گا" اور جانور اپنے بال و پر کو پھیلا کر اُوپر کی طرف اُڑا۔ اور گم سُم "سنت" کو احسان کی نگاہ سے دیکھتا ہُوا تھوڑی دیر بعد نظر سے اوجھل ہو گیا۔ درباری خاموش تصویرِ حیرت بن گئے۔ اور

سدھارتھ محبت اور پریم سے اپنی باہیں اپنے ماموں زاد بھائی دیودت کے گلے میں ڈال کر ہنسی خوشی کے ساتھ محل میں آیا۔ اُس وقت سُدھارتھ کی عمر پانچ چھ برس سے زیادہ کی نہیں تھی ؂

یہی سدھارتھ مابعد زمانہ میں گوتم بُدھ کے نام سے مشہور ہُوا۔ سچ ہے:۔

"ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات"

(۴)

راجہ اور سادھو

رات کا وقت تھا۔ سوائے چوکیدار اور پہرے والوں کے سب نیند میں سرشار تھے۔ نوکر چاکر اور تمام شاہی ملازم خرّاٹے کی سانس لے رہے تھے۔ راجہ کو البتہ نیند نہیں آئی۔ وہ کروٹیں بدلتا رہا۔ چھپّر کھٹ پر مخمل کا گدا بچھا ہوا تھا۔ جتنے عیش و عشرت کے سامان دولت یا حکومت سے حاصل کیئے جا سکتے ہیں۔ سب موجود تھے۔ مگر راجہ کو نیند نہیں آتی تھی۔ جو لاکھوں پر راج کرتا تھا۔ جس کے پاس بے شمار دولت تھی۔ رانی۔ راج کمار۔ رعیّت جس کو تین مرتبہ جُھک کر سلام کرتے تھے۔ اُس کو نیند نے اپنی مہربانی کا مستحق نہیں سمجھا تھا ؂

پلک سے پلک نہیں جھپکتی۔ وہ اِدھر اُدھر دیرہ

تک پھرتا رہا، مگر آرام کہاں! کیونکہ سلطنت کے جھگڑے اور بکھیڑوں نے اُس کے دماغ کو پراگندہ کر رکھا تھا بسر ہیں حد درجہ کی حرارت تھی۔ وہ ہزار کوشش کرتا تھا، کہ نیند آجائے۔ اُس کو کچھ آرام ملے، مگر آرام کہاں تھا۔ سب سو رہے ہیں۔ اُس کی رعیت میں سے ادنے سے ادنے آدمی تک سویا ہوا تھا۔ مگر اُس کی حالت عجیب تھی۔ بار بار وہ پلنگ پر جاکر لیٹ رہا، مگر نیند نہیں آئی۔ اور نہ اُس کے دل کو قرار آیا۔

صبح کے وقت جب سورج طلوع ہو رہا تھا۔ راجہ نے اپنے بالا خانہ کے نیچے نگاہ کی۔ ایک آدمی نظر آیا، جو راکھ کے تودہ پر پڑا ہوا بے خبری کی نیند سو رہا تھا۔ راجہ نے حیرت کے لہجہ میں کہا "یہ کیا بات ہے۔ یہ بد نصیب کمبخت اس طرح سویا ہوا ہے۔ اس کے جسم کے تلے نہ بستر نہ اُوپر چادر ہے۔ اور ایک میں ہوں، جس کو مخملی پلنگ پر بھی نیند نہیں آتی"۔

راجہ کچھ دیر تک سونے والے کو بغور دیکھتا رہا۔ جب سورج اچھی طرح نکل آیا۔ اُس نے بے صبری سے کھڑکی کے دروازہ کو کھول کر سونے والے کو آواز دی۔ "اے خانماں آوارہ شخص! تو بتا۔ کس طرح راکھ کے ڈھیر پر پڑا ہوا تو اس بے خبری کی نیند سو رہا ہے"۔ مگر سونے والے نے ذرا بھی جنبش نہیں کی۔ اور نہ اُس نے

راجہ کی آواز کو سُننا ؛

تب مہاراجہ نے اپنے ایک نوکر کو بُلا کر حکم دیا۔ "جا، اِس سونے والے کو جگا کر لے آ۔ مَیں دیکھوں کِس قسم کا اِنسان ہے" ؛

نوکر اُس کے پاس گیا اور دیکھا۔ یہ اُن فقیروں میں سے ہے، جو دُنیا میں گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔ اور ضرورت اور خواہش کے مُوافق لوگوں کو دھرم کی ہدایت کرتے ہیں۔ سوائے پر اُپکار کے اُن کی زِندگی کا کوئی ماحصل نہیں۔ نوکر ڈرا۔ سادھو کا جگانا اچھّا نہیں ہے۔ مگر راجہ کا حکم مِل چُکا تھا۔ مجبُوراً اُس نے پاس آکر اُس کے کان میں جُھک کر کہا :۔ "بھگوان! مہاراج بالاخانہ پر کھڑے ہوئے آپ کو یاد کر رہے ہیں۔ نہ اُن کو دن میں چَین نہ رات کو نیند آتی ہے۔ اِنتظام سلطنت کی جواب دہیوں نے پریشان کر رکھا ہے۔ آپ معاف کیجئے۔ مَیں آپ کی نیند میں خلل انداز ہُوا۔ اور مہربانی کر کے کھڑکی کے پاس چلیئے۔ جہاں مہاراج آپ سے کچھ پُوچھیں گے" ؛

سادھو اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اور ترش رُو ہو کر اُس راجہ کے پاس جا کر کہنے لگا۔ "تُو نے مجھ کو کیوں بلا سبب جگایا۔ نادان! تو نہیں جانتا سوتے ہُوئے کو جگانا بُرا ہے" ؛

راجہ کے ساتھ کسی کو کب اُس طرح بے باکانہ گفتگو کرنے کی جُرأت ہُوئی تھی۔ یہ اُس کی زِندگی میں پہلا

واقعہ تھا - تاہم وُہ فقیر کی سادگی اور بے خوفی پر ہنستا رہا - اُس کے دِل میں غصّہ نہیں آیا - وہ جانتا تھا، سادھو دِل کے پاک ہوتے ہیں - جب غصّہ کا اظہار کرتے ہیں - تب بھی اُن کے دِل میں بُرائی نہیں رہتی - اُس نے کہا "سوامی! مَیں نے آپ کو کِسی خاص سبب سے تکلیف دی ہے - مَیں جانتا ہُوں - تم بہت دانا اور تجربہ کار سادھو ہو - تم میرے سوال کا جواب دے سکو گے - مَیں نے دیکھا، تم راکھ پر پڑے ہُوئے ہو - مَیں اس بستر کو کبھی پسند نہیں کرتا - مگر جب مَیں نے دیکھا - آپ کیسی گہری نیند میں سوتے ہو - مجھ کو حیرت اور تعجب ہُوا - مَیں آپ سے پُوچھنا چاہتا تھا - کِس طرح اس مٹّی کے تودہ پر لیٹے ہُوئے آپ کو نیند آتی ہے"

سادھو نے راجہ کی شکل و صورت کی طرف غور کیا - اُس میں خود غرضی اور تکان کی شکن پڑے ہوئے تھے - اور اُس کی اندرونی حالت کا اُس کی باہری شکل سے پُورا پُورا اظہار ہو رہا تھا - اس کے بعد اس نے راجہ کی مخملی توشک خوبصورت پلنگ اور عیش و آرام کے سامان کی طرف نظر ڈالی - اور پھر جواب دِیا "کِسی کِسی حالت میں مَیں تیرے برابر ہُوں بعض باتوں میں مَیں تجھ سے بہتر ہُوں"

راجہ نے پُوچھا - "کِس طرح؟"

سادھو بولا "جُوں ہی مَیں بستر میں گیا - اپنے جسم اور

اپنے بستر کا خیال میرے دل سے بالکل جاتا رہا - مجھ کو یہ ہوش نہیں رہا کہ میرا جسم کس قسم کی جگہ پر پڑا ہے - اور میرا بچھونا تیرے بستر سے کم آرام دہ نہیں تھا - مگر اور بات میں میں تجھ سے بہتر تھا، کیونکہ مجھ کو فکر و تردد نہیں ستاتا - تو دکھوں سے پریشان ہے - تجھ کو نیند نہیں آتی - نہ کسی قسم کا سکھ اچھی طرح بھوگ سکتا ہے - تیرا دل پریشانیوں سے بھرا رہتا ہے - میں ایسا نہیں ہوں - اس بات میں میں تجھ سے ہزار ہا درجہ بہتر ہوں"۔

راجہ نے کہا "اے پاک و قابل تعظیم سادھو! تم مجھ کو بتا دو - میں سچ مچ مصیبت میں مبتلا ہوں - میرے گوشت و پوست میں ہر وقت جنگ ٹھنی رہتی ہے - مجھ کو نیند نہیں آتی - نہ مجھ میں شانتی ہے - تم راکھ پر پڑے ہوئے سکھی ہو - تمہاری صورت سے خوشی کی کرنیں پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہیں - تم شانت ہو - نہ تمہارا گھر ہے - نہ دوار ہے - پھر بھی تم کو فکر نہیں ہے - تندرستی اور خوشی تمہارے حصہ میں آئی ہے - اے پر اُپکاری گورو! تم مجھ کو سکھی رہنے اور سکھ کی نیند سونے کا سبق سکھاؤ - میں تمہارے اُپدیش کا مستحق بنا چاہتا ہوں۔

اور سادھو نے سنجیدگی سے جواب دیا "تو سچا راجہ بن جا، من پر اختیار حاصل کر لے - قوتِ ارادی کی پختگی تجھ کو طاقت دے گی - اور جب تو چاہے گا، نیند

اُسی وقت ہاتھ باندھے کھڑی رہے گی۔ اُس وقت تُو سچا راجہ نہیں ہے"۔

راجہ نے پُوچھا "کس طرح؟"

سادھو بولا، نظر اُونچی کر۔ کُتّا مت بن۔ ناقص ہڈیاں کُتّوں کے حوالے کر۔ وہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہیں۔ تو اس دُنیا کی حالت کو سمجھ کر چت کی ورتی کو روکنا سیکھ لے۔ دُنیا میں رہ۔ دُنیا کا ہو کر مت رہ۔ راج کاج کا کام کر۔ ضرورت سے زیادہ کسی کام کا بندھن رکھنا مناسب نہیں ہے۔ جہاں سارا وقت دُنیا کے کام دھندوں میں صرف کرتا ہے۔ کچھ تھوڑا سا وقت ہر روز آتما کے سوچ وچار کے لئے دیا کر۔ جنک کی طرح راج بیوہار کر، اور تجھ کو یہ شنکائیں پھر نہ ستائیں گی، اور تو دُنیا میں بھی سُکھی رہیگا۔ اور پرلوک کو بھی حاصل کر سکے گا۔

جیسے جل میں کنول نرالم مُرغابی نشا نئے!
سُرت شبد بھو ساگر تریئے نانک نام بکھانئے

(۵)

جادُو کا پٹارہ

دربار عام کا دِن تھا۔ وزیر امیر۔ خاص و عام سب حاضر تھے۔ راجہ نے حکم دے رکھا تھا۔ ہر شخص خود حاضر ہو۔ اس کے سامنے اپنا استغاثہ پیش کرے۔ براہِ راست

اپنے ظلم کی کہانی سُنا دے ۔ جو کچھ کہنا ہو ۔ دو بدو راجہ سے کہے ۔ تاکہ وہ خود اُن کے ساتھ اِنصاف کرے ۔

راجہ تختِ شاہی پر بیٹھا ہُوا تھا ۔ داہنی طرف وزیرِ اعظم کی کُرسی تھی ۔ جو کوئی آکر فریاد کرتا ۔ راجہ غور سے اُس کی سُنتا ۔ ہنستے ہُوئے اُس کی دلجوئی کرتا اور اِنصاف کا وعدہ کرتا تھا ۔ اس دِن نیک راجہ نے کِتنے آدمیوں کے دِل کو خوش کِیا ۔ کِتنے ستائے ہُوئے مظلوموں نے اُس کو دُعائیں دیتے ہُوئے پایۂ تخت کو بوسہ دِیا ۔

سنگھاسن سے تھوڑی دُور پر ایک شخص میلے کُچیلے کپڑے پہنے کھڑا تھا ۔ اُس کی نگاہ راجہ پر تھی ۔ یہ معلوم ہوتا تھا ۔ کہ وہ کِسی دُور دراز گاؤں کا رہنے والا تھا ۔ مگر شاہی شان و شوکت نے اُس کے دِل پر اس قدر گہرا اثر پیدا کر لیا تھا ۔ کہ وہ ظاہرا اپنے آنے کی غرض تک کو بھول گیا تھا ۔ نہ وہ راجہ کے پاس گیا ، نہ اُس سے کچھ درخواست کی ۔

اِتنے میں راجہ اپنے وزیر اعظم سے مخاطب ہو کر پُوچھنے لگا ۔ "کیوں جی ! دُنیا میں اِنسان کی تن آسانی کا بہتر ذریعہ کِس سے ہاتھ آتا ہے ؟" وزیر نے جواب دِیا "خداوند ! بیوی سے کیونکہ کہا گیا ہے ۔ ہر کہ زن ندارد آسائش تن ندارد ۔ میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے آدمی کی زبان اُسی وقت کھل گئی اور اُس نے بلا تامل چُپکے سے کہا :-

بشرطیکہ بیوی پارسا ہو ۔ کیونکہ اگر وہ عصمت پرست

نہیں ہے۔ تو شوہر کی بربادی اور تباہی کا باعث بھی عورت ہی ہُوا کرتی ہے ؎

نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد
خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد"

راجہ مُسکرایا اور اُس نے وزیر سے مخاطب ہوکر پھر پُوچھا "کیوں جی! دُنیا میں سب سے زیادہ کارآمد کیا چیز ہے؟" وزیر نے جواب دیا "حضور دولت سے زیادہ کیا مفید شے ہو سکتی ہے۔ کہا گیا ہے ہر کہ زر ندارد از نعمتِ دُنیا خبر ندارد"؎

میلے کچیلے آدمی نے پھر چپکے سے کہا "بشرطیکہ روپیہ ہاتھ میں ہو اور انسان اُس کے اِستعمال کا راز جانتا ہو۔ ورنہ
"برائے سنگ نہادن چہ سنگ و چہ زر"

راجہ نے اُس بد حیثیت شخص کی طرف نگاہ کی۔ اُس نے بھی سُن رکھا تھا۔ "جورُو ساتھ کی دولت ہاتھ کی"۔ اور اُس شخص کے جواب سے اس کو بہت خوشی حاصل ہوئی۔ اُس نے ہاتھ کے اِشارہ سے اُس کو پاس بُلایا، اور کہنے لگا "تُو کون ہے؟ اور یہاں کیوں آیا ہے؟ سب نے اپنی اپنی درخواست گزارنی۔ صرف تُو نے نہ کچھ مجھ سے مانگا۔ نہ اب تک سوال کیا۔ مَیں تیرے لئے کیا کروں"؎

اس شخص نے سر کو نیچا کرکے جواب دیا۔ خداوند! مَیں کبھی آپ سے مدد کا سوال نہ کر سکتا۔ نہ یہاں آتا۔ مَیں

صرف اپنی بیوی کے خیال سے یہاں آیا ہوں، جو مجھ کو دُنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہے۔ مَیں پنڈت (عالم) ہوں۔ میری دولت کتابیں ہیں۔ مَیں رات دِن کتابوں ہی کے مطالعہ میں مصروف رہا۔ مجھ کو دُنیا کی دَولت کی ہوَس نہیں تھی۔ مَیں صرف گیان کے لئے کوشش کرتا رہا۔ مجھ کو مفلسی کا خوف نہیں، نہ ناداری کی فکر تھی۔ مَیں اپنی عورت کے لئے جیب تک خورش و پوشش کا باآسانی اِنتظام کر سکتا تھا۔ مجھ کو اور کسی بات کا خیال تک نہیں ستاتا تھا۔ میری عورت دُنیا میں بڑی دھرماتما ہے۔ مَیں اُس کو دیکھ کر خوشی سے زِندگی بسر کرتا تھا۔ کل وہ سخت بیمار ہو گئی۔ نہ کھانے کا سامان پاس ہے، نہ دَوا عِلاج کا ٹھکانا ہے۔ مَیں آپ سے دُعا مانگنے نہیں آیا ہوں۔ مَیں آپ کو دماغی و روحانی غذا دُوں گا۔ آپ مجھ کو میری بیوی کی پَرورش کے لئے سامان دِیجئے۔ تاکہ تبادلہ کے قانون کا برتاؤ ہو۔ اور میری پیاری بیوی پھر تندُرست ہو کر پہلے کی طرح مسکراتی ہُوئی میری روح کو خوش رکھ سکے۔"

راجہ نے اُس عجیب قسم کے آدمی کو بغور دیکھا۔ جس کے جسم پر چیتھڑے لپٹے ہُوئے تھے۔ اور پھر بھی وہ اِس جرأت کے ساتھ بادشاہِ مُلک سے خدمات کے تبادلہ کی نسبت گفتگو کر رہا تھا۔ وہ حد درجہ کا سنجیدہ مزاج تھا۔ آنکھ سے روشنی برستی تھی۔ اور بات بات سے عقل و تمیز کا اظہار ہوتا تھا۔ راجہ نے وزیر سے کہا "مَیں اس کو اپنے

دربار کے عالموں میں جگہ دیتا ہوں ۔ تم دیکھو اس کی ضرورتیں رفع کردی جائیں ۔ اور اُس کے لئے ایسے سامان مہیا کر دیئے جائیں جو شاہی مصاحب کے لئے ضروری ہیں" ۔

اُس دن سے اُس بے حیثیت آدمی کی حالت میں فرق آ گیا ۔ تمام راج میں وہ زبردست دانش مند اور عالم مشہور ہُوا ۔ گو اُس کے جسم پر اب چیتھڑے نہیں تھے ۔ مگر اُس نے اپنی کتابوں کو کبھی علیحدہ نہیں کیا ۔ اور جب کبھی راجہ کے کام سے فرصت ملتی ، وہ اپنا وقت مطالعہ میں صرف کیا کرتا تھا ۔ سلیم الطبع ، حلیم المزاج ، نیک دِل ۔ خوش اخلاق ۔ سب لوگ اُس کو تعظیم اور محبت کی نگاہ سے دیکھتے تھے ۔ مفلسی کے دِن وہ اپنی بیوی کی نگاہ میں ذلیل تھا ۔ اب اُس کو سنت سمجھنے لگی ۔ دولت اور حیثیت نے اُس کی طرزِ رہائش میں تبدیلی ضرور پیدا کر دی ۔ مگر اُس کی عادات و اطوار میں ذرا بھی فرق نہیں آیا ۔ جیسے وہ پہلے طالب علم تھا ۔ ویسے ہی اب بھی تھا ۔ دِل و دماغ اصلی حالت میں تھے ۔ صرف جسم کے اُوپر کا لباس تبدیل ہو گیا تھا ۔

راجہ اُس کی ذہانت ، اُس کی سادگی اور اُس کی دانشمندی سے خوش تھا ۔ تھوڑے ہی دنوں بعد وہ سلطنت کے کسی محکمہ کا وزیر مقرّر کر دیا گیا ۔ اور چونکہ وہ دِل سے اپنے فرائض کو انجام دیتا تھا ۔ وہ محکمہ تمام محکموں سے زیادہ کامیاب سمجھا جانے لگا ۔

درباری اُس کے حاسد ہو گئے ۔ایک بھکاری بھکشو کو یہ رتبہ ملا، کہ وہ وزیروں کے ساتھ بیٹھے، اور اُن پر حکومت کرنے لگا ۔ یہ بات شاہی اہلکاروں کو پسند نہیں تھی ۔سرگوشیاں ہونے لگیں ۔ راجہ کے کان بھرے جانے لگے ۔طرح طرح کی افواہیں اُڑنے لگیں ۔ ایک شخص نے راجہ سے کہا "خداوند! یہ شخص بڑا جادوگر ہے ۔آپ کو شیشہ میں جادُو کی مدد سے اُتار لیا ہے ۔ لوگ کہتے ہیں ۔آپ کے پاس حاضر ہونے سے پہلے وہ اپنے گھر کی ایک کوٹھڑی میں جاتا ہے، جو ہر وقت مقفل رہتی ہے ۔ اُس میں ایک چاندی کا چھوٹا صندوقچہ ہے ۔ وہ اُس کے جادُو کا پٹارہ ہے ۔ اس کو عمل مشغل کرتا ہے، اُس کے بعد آپ کے پاس آتا ہے ۔اگر یہ جادُوگر نہ ہوتا، تو اِتنی جلدی وزیر کیسے بن جاتا ۔ حضور! ہوشیار رہیں ۔بھیک مانگنے والے اِتنی جلد ترقی نہیں کر سکتے ۔ یہ صرف جادُو کا کرتب ہے ۔آپ اس کے بس میں ہیں ۔ اب وہ آپ کا وزیر ہو گیا ہے ۔آئندہ کون جانے، کیا فکر کرے ۔اُس کے پٹارے سے غافل نہ رہنا چاہیے۔"

پہلے تو راجہ اپنے درباریوں اور مشیروں کی سادگی پر ہنستا رہا ۔ مگر جب ایک بات بار بار کہی گئی، اور اُس کے رشتہ دار عزیز و اقارب بھی خدمت میں آکر کان بھرنے لگے۔ اُس کے دِل میں بھی کچھ قدر شُبہ اپنے وزیر کے برخلاف پیدا ہُوا ۔ایک دِن وہ تمام شکایت کرنے والے درباریوں سے

مخاطب ہو کر کہنے لگا ۔" مَیں تمہاری شکایات سُنتے سُنتے گھبرا گیا ۔ آج چلو ۔ ہم سب خود اس گے جادُو کے پٹارہ کی تلاشی لیں"؛

مشیر اور وزیروں کو ساتھ لے کر وہ اُس دانش مند کے گھر کی طرف گیا ۔ اُس سادہ مزاج شخص نے عزّت و محبّت کے ساتھ سب کا خیر مقدم کیا ۔ یہ وہی گھر تھا ، جو راجہ نے اُس کو دیا تھا ۔ جب صاحب سلامت ہو چکی ۔ راجہ نے کہا ۔ "تم بلا تامل میرے دربار میں چلو ۔ چند نہایت اہم معاملے پیش آ گئے ، مَیں تم سے رائے لینا چاہتا ہوں"؛

اُس نے سوچ کر راجہ سے کہا " اگر حضور اجازت دیں ، تو مَیں دو منٹ کے لئے تنہائی میں جا کر ذرا سوچ لوں ، پھر حاضر ہوں"؛

یہ کہنا تھا ۔ کہ درباری آپس میں آنکھوں سے اشارہ کرنے لگے ۔ راجہ نے کہا ۔" مَیں چاہتا ہوں کہ میرے ساتھ جلد چلو"؛

اس نے پھر پس و پیش کیا ، اور مؤدبانہ لہجہ میں عرض کی "خداوند! صرف ایک لمحہ کے لئے اندر جانے کی اجازت عطا کی جائے"؛

راجہ کے دل میں طرح طرح کے خیال پیدا ہوئے ۔ اُس نے پُوچھا "تنہائی میں جا کر تو کیا کرے گا"؟

اُس نے جواب دیا " خداوندِ نعمت ! صرف ایک لمحہ کی بات ہے ۔ ذرا مَیں اس کمرہ میں جا کر ابھی حضور کے ساتھ محل کی طرف چلتا ہُوں"؛

درباری خوشی سے دل ہی دل میں اُچھلنے لگے۔ راجہ اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اور کہنے لگا۔ "دوست! مَیں بھی تیرے ساتھ ساتھ چلوں گا"۔

وزیر ڈر گیا۔ کہنے لگا۔ "حضور تکلیف نہ کریں۔ جہاں میں جاتا ہُوں، وہ جگہ حضور کے قابل نہیں ہے۔ حضور، میری اس میں اصلی دولت ہے۔ حضور کی نگاہ میں اُس کی قدر نہ ہو گی"۔

راجہ نے سمجھا افواہ صحیح ہے۔ یہ شخص ضرور جادُوگر ہے۔ اِس نے ضد کیا کہ مجھ کو بھی ساتھ ساتھ لے چل۔ سب اُس کمرے میں داخل ہُوئے۔ نہ وہاں فرش و فاردش کا سامان تھا۔ نہ دولت و حشمت کی کوئی چیز تھی۔ الماریوں میں کتابیں چُنی تھیں۔ ایک طرف چاروں وید رکھے ہُوئے تھے۔ دُوسری طرف برہمن گرنتھ تھے۔ تیسری طرف اُپنشدیں اور درشنوں کے رسالے تھے۔ چوتھی طرف ناٹک کی کتابیں تھیں۔ کمرہ کے بیچ میں ایک چاندی کا پٹارہ رکھا تھا۔ وزیر نے راجہ کی طرف نگاہ کی۔ راجہ نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔ مگر کسی نے کوئی بات نہیں کی۔ اُس نے پٹارے کے ڈھکنے کو اُٹھایا۔ اُس کے بیچ پھٹے پُرانے کپڑوں کا بنڈل رکھا ہُوا تھا۔

راجہ نے حیرت اور خوف کے لہجہ سے پُوچھا "یہ کیا ہے؟"
اُس نے کہا "خداوندِ نعمت! یہ وہ کپڑے ہیں، جو مَیں

مُفلسی کے زمانہ میں پہنا کرتا تھا ۔ مَیں نے اُن کو رکھ چھوڑا ۔ تاکہ روزانہ اُن کو دیکھ کر بھول نہ جاؤں ، کہ مَیں پہلے کون تھا ۔ آپ کے دربار میں جانے سے پہلے مَیں تھوڑی دیر کے لیے ان کو دیکھ لیتا ہُوں ۔ کبھی پہن بھی لیتا ہُوں ۔ تاکہ یاد رہے ۔ کہ میری پہلی حالت کیا تھی ۔ یہ مجھ کو یاد دلاتے رہتے ہیں ۔ کہ مَیں کون تھا ۔ اب کیا ہُوں ۔ مُفلسی میں کیا حالت ہوتی ہے ۔ دَولت کیا چیز ہے ۔ اور صرف اسی بات کے برابر یاد رکھنے کے لئے مَیں نے اِن کو بڑی احتیاط کے ساتھ رکھ چھوڑا ہے " ؛

راجہ نے تعجب اور حیرت سے اُس کی بات کو سُنا ۔ اور تمام وزیروں کے ساتھ دربار میں واپس آکر نفرت اور حقارت کے ساتھ اُن کو کہا ۔ " دوستو ! مَیں جادُو کی کوٹھڑی کو دیکھ آیا ۔ جادُو کا پٹارہ بھی میری نگاہ سے گزرا ۔ جادُو کی چیز بھی مَیں نے دیکھی ۔ اب مَیں اس جادُوگر کو جس کی روز بروز شکایت کرتے تھے ۔ سزا دینے کو تیار ہوں ۔ سزا یہ ہے ۔ کہ آج سے یہ شخص میری تمام سلطنت کا وزیر اعظم مقرر کیا جاتا ہے ۔ اور تم سب لوگ اس کو میرا نائب اور مدارالمہام سمجھو " ؛

(٦)

رام کی موج

کسی گاؤں میں ایک دَولت مند زمیندار رہتا تھا ۔

اُس کا ایک ہی لڑکا تھا۔ جو حد درجہ کا ذہین نیک اور فرمانبردار تھا۔ ماں باپ اس کو دِل سے پیار کرتے تھے۔ اور مالک سے ہمیشہ اس کی بہتری و ترقی کے لئے دُعائیں مانگا کرتے تھے ؛

اِتفاق سے ایک دِن لڑکا سخت بیمار پڑ گیا۔ اُس کی حالت بگڑتی گئی۔ ماں باپ سخت گھبرا گئے۔ کیونکہ اُس کے سوا اُن کی اور کوئی اَولاد نہیں تھی ؛

اُسی گاؤں کے کنارے پہاڑ کے دامن میں برسوں سے ایک سادھو رہتا تھا، جو پاک دِل اور پاک خیال سمجھا جاتا تھا۔ آس پاس کے آدمی اُس کے پاس اُپدیش پانے کے لئے آتے رہتے تھے۔ لڑکے کا باپ پریشان ہو کر اُس سادھو کے پاس اَپنے دُکھ درد کا قصہ سُنانے آیا۔ اور ساشٹانگ ڈنڈوت کر کے بولا :-

"مہاتمن! میرا اکلوتا بیٹا قریب المرگ ہے۔ آپ دُعا کیجئے تاکہ اُس کی جان بچ جائے، اور ہم سب لوگ اُس کی سلامتی میں خوش ہوں" ؛

سادھو نے زمیندار کو دیکھا۔ اور آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر پریم اور بھگتی کے لہجہ میں کہا "رام! تیری اِچھا پُورن ہو۔ جو تُو کرتا ہے، اچھا ہی کرتا ہے۔ بھگوان! سب کام تیری موج کے موافق ہونا چاہیئے" ؛

زمیندار نے بے صبری سے یہ باتیں سُنیں اور دِل میں

ناراض ہو کر کہنے لگا :-

"گاؤں میں سب لوگ اس کو سنت کہتے ہیں۔ مَیں اُس کے پاس اس غرض سے آیا۔ کہ یہ مجھ کو تسلّی دے اور میرے لڑکے کے لئے دعائیں کرے۔ مگر میرے بیٹے کے قریب المرگ ہونے کی خبر سُن کر کہتا ہے کہ جو رام کرتا ہے، اچھا ہی کرتا ہے۔ گویا میرے لڑکے کا مرجانا اُس کے نزدیک بہت اچھا ہے"۔

غمگین اور بد دِل ہو کر زمیندار وہاں سے لوٹا۔ اُس کے چلتے وقت پھر سادھو نے اُسی لہجہ میں کہا۔ "رام! تیری اِچھّیا پورن ہو۔ جو تو کرتا ہے، اچھا کرتا ہے۔ بھگوان! سب کام تیری موج کے موافق ہونا چاہیئے"۔

کئی دِن گزر گئے اور زمیندار رنج اور دُکھ کے صدمہ سے ستایا ہُوا دُوسری مرتبہ پھر سادھو کے پاس آیا اور کہا "مہاتما! میرا اکلوتا لڑکا مر گیا۔ وہ جو میری آنکھوں کا تارا تھا۔ غائب ہو گیا۔ مَیں سخت دُکھی ہوں۔ مجھ میں اُس دُکھ کے برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ تم مجھ کو تسلّی دو، تاکہ مجھ کو شانتی ملے۔ ہائے میرا بیٹا مرگیا"۔

سادھو نے پھر اپنی آنکھیں آسمان کی طرف اُٹھائیں اور پریم و بھگتی کے لہجہ میں کہنے لگا :-

"رام! تیری اِچھّا پورن ہو، جو تُو کرتا ہے، اچھا ہی کرتا ہے۔ بھگوان سب کام تیری موج کے موافق ہی ہوتا

چاہیئے"۔

یہ سُن کر زمیندار کے دِل میں غُصّہ کی آگ مُشتعل ہو گئی۔ اس نے سمجھا۔ "سادھو میرے ساتھ ہنسی اور ٹھٹھا کرتا ہے"۔ اور دِل میں بدلہ لینے کا مصمم ارادہ کر کے وہاں سے چلا آیا۔ رنج نے اُس کی عقل کو خراب کر دیا تھا۔ وہ اِس اصُول کو نہیں سمجھتا تھا۔ جس کے سانچے میں سادھو نے اپنی زندگی ڈھال رکھی تھی۔

رات کے وقت جب سب لوگ سو رہے تھے۔ صرف آسمان اپنی آنکھوں کو کھولے ہوئے سوئے ہُوئے عالم کو دیکھ رہا تھا۔ زمیندار اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اور اُس سادھو سے بدلہ لینے کی نیّت سے دیکھتا تھا۔ اُس نے دِل میں ٹھان لی۔ "میں اس سنگ دِل سادھو کو بغیر قتل ہُوئے نہ چھوڑوں گا۔ یہ مکّار قتل کے قابل ہے۔ دُنیا اِس سے ہمدردی کی اُمید رکھتی ہے۔ یہ مخول کیا کرتا ہے۔ لوگ اس کو پاک بُزرگ سمجھتے ہیں۔ مگر یہ اصل میں مکّار اور دھوکہ باز ہے۔ یہ بھیڑیا ہے۔ جو بکری کی کھال اوڑھے ہُوئے گلّہ میں داخل ہو گیا ہے۔ اس کا مارنا ہی ثواب ہو گا۔

اس طرح اپنے رنج کی وجہ سے اندھا بن کر وہ اس مقام پر آیا۔ جہاں درخت کے تلے بیٹھ کر سادھو بھگوت بھجن کیا کرتا تھا۔ مگر حُسنِ اِتفاق! اس وقت وہاں موجود نہ تھا۔ اپنے معمول کے برخلاف اِس رات کو وہ ندی کے کنارے

چلا گیا تھا - جہاں ہر روز صبح مسنان دھیان کرنے جایا کرتا تھا - جس وقت زمیندار یہاں بدلہ لینے کے لئے مضبوط ارادہ سے اُس کا اِنتظار کر رہا تھا - وہ غریب نیک مزاج سادھو دریا کے کنارے بیٹھا ہُوا دھیان میں مصروف تھا۔ اُس کو خبر بھی نہ تھی، کہ دُشمن جان کا پیاسا بن کر اُس کو مارنے آیا ہے ؛

اس دھیان کی حالت میں وہ اس قدر محو ہو گیا تھا۔ کہ تن بدن تک کا خیال نہ رہا - زمیندار دیر تک جھونپڑے کے قریب ٹھیرا رہا - مگر جب سادھو نہیں آیا - اُس نے سوچا چلو دریا کے کنارے چل کر دیکھیں - شائد وہاں نہ گیا ہو - اور جس وقت وہ واپس آنے لگا - مَیں جھاڑی میں چُھپا ہُوا کود کر اس کی گردن مروڑ دُوں گا - اور اُس ریاکاری کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دُوں گا" ؛

اس عرصہ میں وہ مہاتما اپنی عبادت سے فلارغ ہُوا۔ اور مست ہو کر حقانی راگ گاتا ہُوا جھونپڑے کی طرف روانہ ہُوا۔ رات بہت خوبصورت تھی - ستارے کِھلے ہُوئے تھے - سادھو اپنے جذبہ میں بے خود ہو کر چلا جا رہا تھا - راہ میں ایک آم کے درخت سے اُس کا سِر ٹکرا گیا - اُس نے کہا " رام ! تیری اِچھا پورن ہو - جو تُو کرتا ہے، اچّھا کرتا ہے - بھگوان ! سب کام تیری مرضی کے موافق ہونا چاہیئے - اِس خفیف صدمہ سے تُو نے مجھے ہدایت کی، کہ مَیں آج دوسری راہ سے ہو کر گھر جاؤں"۔

یہ کہہ کر اُس نے دوسری راہ اختیار کی، جو گھنے جنگل سے ہو کر گئی تھی ۔

زمیندار نے اُس کو دیکھ لیا۔ وہ بھی پیچھے پیچھے چلا۔ اُس نے سوچا۔ "اب یہ کہاں بچ کر جا سکتا ہے۔ مَیں اُس کو پکڑ کر آج بغیر مارے نہ چھوڑوں گا۔" اور اُس نے ہاتھ میں موٹا ڈنڈا لے کر اُس کا تعاقب کیا۔ وہ برابر سادھو کو دیکھتا رہا۔ اِتنے میں وہ نظر سے غائب ہو گیا، اور گھنے جنگل میں چھپ رہا ۔

زمیندار جھپٹا، دیکھتا کیا ہے، کہ سادھو ایک ٹیلے کے نیچے گرا ہُوا پڑا ہے۔ اُس کے سر سے خُون بہہ رہا ہے۔ چہرہ سفید ہو گیا ہے، مگر پھر بھی وہ اُسی پریم و بھگتی کے لہجہ میں جو اُس سے مخصوص تھا کہہ رہا تھا۔ "رام! تیری اِچھا پُورن ہو۔ جو تُو کرتا ہے، اچھا ہی کرتا ہے۔ بھگوان! سب کام تیری موج کے موافق ہی ہوں" ۔

زمیندار نے سادھو کی باتیں سُنیں۔ اُس وقت اُس کو سمجھ آئی۔ کہ سادھو کیوں یہ جُملے ہمیشہ اِستعمال کیا کرتا تھا۔ اُس نے اپنے آپ کو پرماتما کی مرضی کے حوالے کر رکھا تھا۔ اور اس قِسم کا تقدّس مآب شخص تھا۔ جو مصیبت اور دُکھ کے وقت بھی پرماتما کے "اپار اور انت گیان" کا قائل ہو کر رضا اور تسلیم کے اصُول کو ہاتھ سے نہیں دیتا تھا۔ "رام! تیری اِچھا پُورن ہو۔ جو تُو کرتا ہے۔ اچھا ہی کرتا ہے۔ بھگوان! سب کام تیری موج کے موافق ہو" ۔

۱- جو غذا با لذّتِ دہر سے دلِ بوالہوس ہے خطا طلب
کوئی با خطا بھی نہ کیوں ہُوا کبھی اپنے حق میں دعا طلب

۲- کرے دہر سے جو وفا طلب وہ ہے اپنے حق میں جفا طلب
یہ ہے ناسزا، یہ ہے بے وفا رہ اس کی اس کو ہو گیا طلب

۳- جسے وصلِ یار کا شوق ہو، جسے اُس سے ملنے کا ذوق ہو
کرے حق سے راہِ فنا طلب کرے دل سے آہِ رسا طلب

۴- جو تُو مرے اپنی حیات میں تو وہ نیستی ہے ثبات میں
جو فنا قبل ممات ہے۔ نہیں پھر وہ جُز رِ قضا طلب!

۵- درِ دل کو اپنے جو کھول دے کوئی پردہ گر نہ ہو سامنے
تو شعاعِ مہر نگار خود ترے گھر میں آئے بلا طلب

۶- وہ جستجو میں ہو گم اگر۔ تو ملے نہ اپنی تجھے خبر
ترے ہوش اُڑنے کے واسطے کریں تجھ سے بالِ ہما طلب

۷- ہے دامن اس پہ جو اے صبا خضرِ قناعت و صبر کا!
تو چراغِ خاطرِ بوالہوس نہ ہو بادِ حرص و ہوا طلب[1]

زمیندار کا دل سادھو کے حیرت انگیز کلام کو سن کر اُس کی رضا و تسلیم کی مضبوطی کو دیکھ کر اُسی وقت بدل گیا۔ اُس نے جھٹ پٹ سادھو کو چٹان کے ڈھیر سے نکالا۔ اس کی پیشانی کو پانی لا کر دھو دیا۔ اور اپنا رومال زخم پر کس کر باندھ دیا۔ اور پھر عاجزانہ اور عجابانہ لہجہ میں کہا:۔

۱؎ اقتباس از نظم طالب (آزاد)

"اے مہاتما! مَیں بُری نیّت سے تیرے تعاقب میں تھا۔ مَیں یہاں تیرے زخم پر پٹی باندھنے نہیں آیا تھا۔ میرے دل میں بدلہ کی آگ مشتعل ہو رہی تھی۔ مَیں نے تیری بات پہلے نہیں سمجھی تھی۔ اب جا کر مجھ کو اُس کی سمجھ آئی ہے اے نیک بزرگ! تُو اس قسم کا برگزیدہ اِنسان ہے۔ جو ایشور کے دیئے ہُوئے زہر کو بھی آبِ حیات سمجھ کر پی جایا کرتے ہیں۔ تو اپنی بے نظیر بھگتی کے خیال سے میرے لڑکے کی موت میں چھپی ہوئی برکت دیکھی۔ جیساکہ تُو خود اس وقت اپنی مصیبت کے وقت اپنی مثال سے ثابت کر رہا ہے۔ مہاتمن! مجھ کو معاف کرو۔ مَیں گنہگار ہوں، پاپی ہوں۔ مَیں تیرے قتل کے درپے تھا۔ چل مَیں تجھ کو تیرے آسن تک پہنچا آؤں"۔

اُدھر اُس سادھو نے سر کو بلند کر کے کہا "رام! تیری اِچھا پُورن ہو۔ جو تُو کرتا ہے، اچھا ہی کرتا ہے۔ بھگوان! سب کام تیری موج کے موافق ہونا چاہیئے۔ تُو نے اس وقت شُولی کا کانٹا کر دیا۔ موت کی مصیبت کو معمولی خراش کی صورت میں تبدیل کر دیا۔ پربھو! تیری مایا اپرم پار ہے۔ تُو نے اِس آدمی سے بچنے کے لئے میری راہ اِس چٹان کی طرف پھیر دی۔ اس نے بے شک غلطی سے مجھ کو مار دیا ہوتا۔ مگر تُو نے اپنی دیا سے مجھ کو بچا لیا۔ اور اُس کو مہربان بنا دیا رام! تُو جو کچھ کرتا ہے۔

اَچھا کرتا ہے۔ تیری اِچھا پُورن ہو"۔

زبیندار اُس کے پاؤں پر گرا، اور پھر وہ تھوڑے دِنوں کے بعد بھگتی کے رنگ سے رنگ دِیا گیا۔

۷

شانتی کا منتر

ہر سخن موقع و ہر نکتہ مکانے وارد

(ایک فلاسفر کا مقولہ)

کہتے ہیں۔ کِسی مُلک کے باشندے اِتنے بے چین اور غمگین رہتے تھے۔ کہ اُن کو کِسی طرح یہ زِندگی قابلِ برداشت نہیں معلوم ہوتی تھی۔ زِندگی کا تاریک پہلو ہر وقت اُن کے سامنے رہتا تھا، اور وہ نہ تو ایشور کی کائنات کی خوبصورتی کو دیکھ کر مسرور ہوتے۔ نہ دُنیا کے کِسی فرحت بخش نظارہ سے خوشی حاصل کرتے۔ اگر پانی برسنے لگتا تو وہ سیلاب کے خوف سے گھبرا اُٹھتے۔ اگر گرمی کا موسم آتا، تو اُس کی شکایت۔ غرضیکہ صبح سے شام تک ہر شخص کی زبان کِسی نہ کِسی تردّد کی شکایت کرتی رہتی تھی۔ کِسی کو اچھے نوکر نہیں مِلتے تھے۔ کِسی کا نوکروں کی بد دیانتی سے ناک میں دَم تھا۔

ایک دِن اِتفاق سے ایک سادھو پہاڑ کی چوٹی پر نمودار ہُوا۔ اور وہاں سے اُس بدنصیب مُلک کے

آدمیوں کی حالت پر غور کرتا ہوا اپنے دل میں سوچنے لگا "چلو اُن کو اس رنج و الم کے ہاتھوں نجات دیں۔ اور شانتی کے منتر سے واقف کر کے اس بے قراری اور اضطراب کی حالت کو مٹا دیں"۔

جب وُہ نیچے اُترا۔ سڑک پر ایک آدمی ملا۔ جو سخت بد حواس تھا۔ سادھو نے ہنس کر پوچھا "دوست! کیوں پریشان ہو؟ کیا بات ہے؟" اُس نے جواب میں سر اُونچا کیا اور کہا۔ "کیا کہوں۔ نہ دِن کو چین نہ رات کو آرام۔ مصیبت کے ہاتھوں سخت تنگ ہوں۔ مَیں بادشاہ کا حجام ہوں۔ مَیں نے حکم دیا تھا۔ کہ شاہزادہ کی حجامت کے لئے موتی کے دستہ کا اُسترا تیار کرا دیا جائے۔ وہ اب تک نہیں بنا۔ اس دُنیا میں مجھ سے زیادہ بدنصیب کون آدمی ہوگا"۔

سادھو خاموشی اور حیرت سے دو لمحہ تک اُس آدمی کو دیکھتا گیا، اور پھر بولا "دوست! سُنو مَیں شانتی کا منتر جانتا ہوں۔ اگر تم کو اُس کی واقفیت ہو، تو تمہارا سارا غم بات کی بات میں غلط ہو جائے"۔

حجام کو سادھو کی بات کا یقین نہیں تھا۔ کہنے لگا "ممکن ہے۔ دُوسروں کو اس سے کچھ نفع پہنچے۔ میرے رنج و افکار خیالی و فرضی نہیں۔ جب وقت پر اُسترا نہ ملے، کیسے ممکن ہے میرے دِل کو چین آوے"۔ سادھو

نے حجام کے پاس جا کر اُس کے کانوں سے لگ کر کہا "مَیں اس منتر کے لئے روپیہ لیتا ہوں"۔ حجام سُن کر چونک پڑا۔ "اس قدر بڑی رقم" مگر پھر ضبط کر کے بولا۔ "اچھا مجھ کو یہ راز بتا دو۔ مَیں شہر میں چل کر تم کو روپیہ گن دونگا"۔

سادھو بولا "رام رام! تم سمجھتے ہو۔ اس قدر قیمتی راز تم کو سڑک پر بتایا جائے۔ اس وقت تم گھر جاؤ۔ تین دن تک متواتر روزہ رکھو، اور شانتی کے مضمون پر غور کرتے رہو۔ اور جب تعظیم اور اعتقاد کے ساتھ میرے پاس آؤ گے، تب مَیں تم کو شانتی کے منتر کا اُپدیش سُناؤں گا"۔

حجام شرمندہ ہو گیا۔ سچ مچ اُس ناداں نے سمجھا تھا کہ "شانتی کا منتر" کوئی معمولی سی چیز ہو گی۔ دونوں خاموشی و سکوت کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوئے۔

حجام نے سادھو کی حمایت پر عمل کیا، اور تین دن برت رکھنے اور شانتی پر وچار کرنے کے بعد وہ اُدب کے ساتھ سادھو کے حجرہ کی طرف آیا۔ سادھو نے کہا۔ "اگر تم سخت سے سخت قسم کھاؤ کہ یہ منتر کسی کو نہ بتاؤ گے، تو مَیں تم کو چیلا کروں گا"۔ حجام نے قسم کھائی۔ تب سادھو پہاڑ کے خوشنما دامن اور فرحت بخش وادی سے گزرتے ہوئے سورج دیوتا کے جلال کو دکھاتے ہوئے شانتی بھون میں لے گیا۔ جہاں وہ مرید بناتا تھا۔ وہ

دِن تک کسی نے حجام کو نہیں دیکھا۔ تیسرے دِن دروازہ کھلا، اَور وہ ہنستا ہُوا نکلا۔ چہرہ پر بشاشت کے آثار موجود تھے۔ آنکھوں سے مسرّت کا اظہار ہوتا تھا۔ جس نے دیکھا تعجب کیا؛

اُسی دِن وہ شاہی محل میں وہ حجامت بنانے گیا۔ بادشاہ کا چچا نہایت فِکر و تردّد کی حالت میں تھا۔ رنج کی وجہ سے اُس کے چہرے پر اِتنے شکن پڑ گئے تھے کہ حجام کا اُسترا لگانا مشکل معلوم ہُوا، اور وہ کہتا جاتا تھا۔ اس دُکھدائی دُنیا میں کسی کو کیسے چَین مِل سکتا تھا۔ اُمید کی جاتی ہے، کہ آج نہیں تو کل کچھ آرام ملے گا۔ مگر

مشکل این ست کہ ہر روز بتر مے بینم

مَیں بُڈھا ہوں، میری ضرورت کے سامان مہیا ہو جانے چاہئیں۔ مگر نہیں، کون سُنتا ہے، میری گاڑی ٹوٹ گئی، گھوڑا لنگڑا ہو گیا، مجھ کو جانا ہے۔ مَیں یقین کرتا ہُوں، بارش ضرور ہو گی یا مصیبت! کہیں تیری حد بھی ہے کوئی میرے سفید بالوں کا لحاظ کبھی نہیں کرتا؛

حجام کے دِل میں ترس آیا۔ اُس نے چُپکے سے اس سادھو کا ذکر کیا، جو شانتی کا منتر بتاتا تھا؛

بادشاہ کا چچا بھی اُس کا مُرید بن گیا اور اُس کی شانتی اور سنجیدگی کی حیرت کا باعث ہُوئی۔ پھر سادھو کے حجرہ کے قریب وہ بھیڑ اکٹھی ہونے لگی۔ کہ تِل رکھنے

کو بھی جگہ نہیں ملتی تھی ۔ اور باری باری سے سب نے اُس کی شاگردی قبول کی ۔ اور تمام ملک میں شانتی اور امن و امان کی رُوح پھونک دی گئی ۔ پہلی بد اطمینانی اور بے چینی کافور ہو گئی ۔ اور جب شاہی خاندان کا کوئی وارث نہیں رہا ۔ باشندوں نے اتفاق رائے سے سادھو کو ہی بادشاہ بنانا چاہا ۔ پہلے تو اُس کو بہت کچھ اعتراض تھا ۔ مگر سب کا رُخ دیکھ کر اُس نے اُن کی درخواست منظور کر لی ۔ اور اُس کے عہد میں کبھی کسی نے بھی کسی طرح کی شکایت نہیں کی ۔

اس سادھو کا ایک لڑکا تھا ، اور جیسا کہ مشہور ہے ۔ "عقلمند کے گھر نادان اور ولی کے گھر شیطان" پیدا ہوتے ہیں ۔ یہ لڑکا بھی نہایت بد تمیز نکلا ۔ تاہم بادشاہ کو کچھ فکر نہیں تھی ۔ "بڑا ہونے پر اسی شانتی منتر کے اُپدیش سے سب کچھ درست ہو جائے گا" ۔

وزیروں نے اُس سے کہا "شاہزادہ عجیب قسم کا مخلوق ہے ۔ وہ کہتا پھرتا ہے ۔ کیسا منتر اور کیسا جنتر ، کیسی شانتی کیسی بھرانتی ! کسی سے کچھ نہ چھپاؤ ۔ سانچ کو کیا آنچ ! باطل عقائد کی بیخ کنی کرو ۔ صرف سچائی کی اشاعت ہو ، اور چاہے بُرا ہو یا بھلا ۔ سچ کے سوا منہ سے کوئی بات نہ نکلے" ۔

بادشاہ ہنسا ، اور کہا ابھی لڑکا ہے ۔ نا تجربہ کار

ہے۔ وقت پر سب کچھ ہو جاوے گا۔ اور اس کی سمجھ میں آنے لگے گا۔ کہ

ہر سخن موقع و ہر نکتہ مکانے دارد

شانتی منتر کے اُپدیش کے لئے اکیس[۲۱] برس کی عمر مقرر کی گئی تھی۔ بادشاہ کو خیال تھا۔ جب وہ اس عمر کو پہنچے گا۔ منتر بتا دیا جائے گا۔ اور وہ باتمیز اور تجربہ کار ہو جائے گا۔

مگر دُنیا میں کوئی کس بات کا اعتبار کرے۔

ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال

ابھی اکیس برس پورے ہونے پر نہیں آئے تھے۔ کہ بادشاہ سلامت نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور بغیر شانتی منتر کا اُپدیش پائے ہوئے، نوجوان ضدی اور پُر جوش لڑکے کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔

ممکن تھا۔ دیرینہ سال باپ کی تعلیم اثر پیدا کرتی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا، کس طرح منتر کا اُپدیش کیا جاتا ہے۔ دُنیا میں زیادہ خرابیاں اس وجہ سے واقع ہوتی ہیں۔ کہ لوگ مزاج شناس کم ہوتے ہیں۔ بہت سے ضعیف سفید ریش والے بڈھے اکٹھے ہوئے۔ اور نئے تئے نوجوان بادشاہ کو شانتی بھون کی طرف لے چلے۔ جہاں منتر، کان میں پھونکے جانے کو تھا۔ نوجوان کی آنکھوں سے صاف ظاہر ہوتا تھا۔ کہ وہ اس رسم کو حقارت سے دیکھتا ہے۔ وہ غلط فہمی

سے اپنے باپ کو بھی فاتر العقل۔ بد اعتقاد اور کٹر سمجھنے لگا تھا۔ اور جب اُس کو منتر سُنایا گیا۔ اُس نے اپنے نوجوان اور گرم خون والے دِل میں سوچا "یہ محض دھوکا ہے۔ فریب ڈھکوسلا ہے۔ میرا پہلا کام یہ ہوگا کہ میں اپنی رعایا کو اس باطل پرستی کے ہاتھ سے نجات دُوں، اور اُن کو بتاؤں کہ سچ سے بہتر کوئی مذہب نہیں ہے"۔

برت رکھنے کے بعد اِنسان کا دِل خود کسی قدر شانت ہو جاتا ہے۔ اور اسی میں رسم ادا کرنے کے لیے بعد گورو شاگرد کو لے جا کر کہتا تھا۔" دیکھو یہ دُنیا نامکمل ہے۔ نہ کوئی اِس کو مکمل کر سکتا ہے۔ اس میں ہمیشہ کسی نہ کسی بات کی کمی رہے گی۔ پھر کیوں ہم ہر وقت شکایت کرتے رہیں"۔

"لوگ شفاخانے بنواتے ہیں، شہر بساتے ہیں، مدرسے تعمیر کراتے ہیں۔ باغ، تالاب، مندر، سرائے سب بنوا دیتے ہیں۔ اُمید کی جاتی ہے۔ سب سُکھی ہوں گے۔ مگر ایک بھونچال آتا ہے۔ سب گر پڑتے ہیں۔ اور اِنسان کا ہوائی قلعہ منہدم ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں پھر کیوں ہم ہر وقت شکایت کرتے رہیں"۔

ہم ایک آدمی کو خیرات دے کر سمجھتے ہیں۔ اس کا بھلا کیا۔ اور وہ ہمارا شکریہ ادا کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا، تو ہم دُکھی ہوتے ہیں۔ بُرا بھلا کہتے ہیں۔ غریب ہمارا

کیوں شکریہ ادا کرے۔ ہم نے اُس کا کیا اُپکار کیا؟ وہ ہمارا محتاج نہ تھا نہ ہے۔ وہ ایشور کا بندہ ہے۔ ایشور اُس کا مالک ہے۔ اُس نے ہمارا اُپکار کیا۔ کیونکہ اگر وہ نہ ہوتا، تو ہم خیرات دے کر کس طرح اپنے دل کو فیاضی کی مشاقی کا موقع دیتے۔ جو اِنسان کے بہترین اوصاف میں سے ہے۔ ایسی حالت میں پھر کیوں ہم ہر وقت شکایت کرتے رہیں۔

لڑکے بالے، جورو، متعلقین ہم کو اِس واسطے ملے ہیں، کہ ہم اس کی پرورش و پرداخت کرکے اپنے آپ کو خوش رکھیں۔ دِل راضی رہے۔ کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ ان میں سے بعض دُکھدائی ہیں۔ بعض اچھے، بعض بُرے ہیں۔ سب کو ایک حالت میں رکھنا مشکل ہے۔ کیونکہ سب کے کرم جُدا جُدا، سب کے خواص و سنسکار جُدا جُدا ہیں۔ تم صرف اِتنا کام کرو، اور کام دِل سے کرو۔ ذاتی غرض و ذاتی نفع کا لحاظ نہ رکھو۔ ان میں سے کوئی تمہارا ساتھی نہیں ہے۔ پھر ہم کیوں ہر وقت شکایت کرتے رہیں۔

دُنیا کے باشندوں کے مذہب، اعتقاد، طرز، روش جُدا گانہ ہیں۔ خیال کرنے کا ڈھنگ مختلف ہے۔ یہ سوچنا کہ یہ سب ایک طریقہ اختیار کر لیں۔ ممکن نہیں۔ ہر شخص کا مذہب اُس کے مزاج و طبیعت کے موافق ہوگا۔ دُنیا میں اختلاف قدرت کی جان ہے، اور خیالی باتوں میں بالخصوص ہمیشہ اختلاف رہے گا۔ سب کو ایک خیال قبول کرنے کے

لئے مجبور کرنے سے کشت و خون ہو گا - پھر ہم کیوں ہر وقت شکائیت کرتے ہیں ؟

نوکر، چاکر - ماتحت ہمارے اور اپنے کرموں کے موافق ہم کو ملے ہیں - اُن کے ساتھ صرف مناسب و موزوں برتاؤ ہو - اگر کبھی بھول چوک ہو جاوے - معاف کر دو - ہر وقت کے کُوسنے سے تم دُکھی رہو گے - سوچو نوکر کے اخلاق کے درست کرنے اور رات دِن اُس کو سخت و شست کہنے میں تمہارے بد اخلاق بن جانے کا خدشہ ہے - ایسی حالت میں پھر کیوں ہم ہر وقت شکایت کرتے رہیں ؟

دُنیا کا کام ہوتا ہے ہُوا کرے گا - کام دِل لگا کر کرو - نتیجہ ایشور کے سُپرد کرو - اگر کبھی کچھ بگڑ جائے، خواہ کوئی چیز ہاتھ نہ آوے - تو دُکھی کیوں ہوتے ہو - تمہارا فرض صرف کام کرنے کا ہے، تم اوزار ہو، تم کسی اور طاقت کے ماتحت ہو، جیسے کل کے پُرزے اپنا اپنا کام کرتے رہتے ہیں، تم بھی کام کرو - اس سے زیادہ اپنی حیثیت نہ سمجھو - ایسی حالت میں پھر کیوں ہم ہر وقت شکائیت کرتے رہیں ؟

جب یہ اُپدیش ہو جاتا تھا - تب منتر بتایا جاتا تھا اور شاگرد کو کہا جاتا تھا - غصہ، رنج و مصیبت کے وقت اس کا جاپ ہوتا رہے منتر یہ ہے :-

اے ناپائیدار اگما پائی ہے سنسار !
بھرا ہے اِس میں بہت بکار

گیانی سمجھیں سارا سار
جڑ چیتن کا کریں بچار
جن میں سمجھ بوجھ نہیں یار
اُن کو جانو نپٹ گنوار
کام کرودھ لوبھ ہنکار
موہ میں بھرمے ہمت ہار
اُن پر ہر دم کال کی مار
کبھی نہ سمجھیں گے وہ سار
ہے جو تجھ میں گورو کا پیار
جڑتا سے تو ہو جا تیار
یہ سب جڑ تو چیتن سار
اپنا شانت روپ لکھ بار

" آسمان و زمین شانت ہو جا۔ سورج چاند تم میں شانتی آوے۔ بنسپتی تم شانت ہو جاؤ۔ پانی وایو، اگنی شانت ہو۔ دیو و انترکش شانت ہو، اور میں بھی شانت بن جاؤں "

یہ راز تھا، یہ شانتی کا منتر تھا، یہ نکتہ تھا، مگر تمیز شاہزادہ نے کہا۔ " واہ! اسی منتر کو بتا کر تم ہماری رعایا کا مال ہڑپ کر جاتے تھے، تم ہم کو دھوکا نہیں دے سکتے۔ ہم اس الم غلم کے پھندے میں نہیں پھنس سکتے "۔

بڈھے آدمیوں نے کہا۔ "آپ نوجوان ہیں، کم سے
کم اتنا تو مان لیجئے۔ ہم میں بھی کچھ سمجھ ہے۔ اس منتر سے
یہ کبھی مراد نہیں کہ وہ خود جادو کا اثر رکھتا ہے۔ وہ صرف
انسان کے سوچنے کی قوت کو متحرک کرتا رہتا ہے۔ چند سال
کے بعد آپ سمجھ جائیں گے۔ کہ یہ فضول اور ناکارہ نہیں
ہے۔ اس کے عمل سے مصیبتیں دوست بن کر انسان کو پختہ کار
بناتی ہیں۔ ورنہ وہ پریشان ہو کر تباہی کے منہ میں چلا جاتا
ہے۔ صرف منتر ہی نہیں، بلکہ اُپدیش بھی کیسا مفید ہو
جاتا ہے۔ جہاں آدمی نے ایک مرتبہ اس راز کو سمجھ لیا۔
پھر وہ کبھی نہیں گھبراتا۔ نہ ذرا ذرا سی کسی کی خفیف الحرکاتی
پر غصہ کرتا ہے۔ آپ اس کی بے قدری محض اس وجہ سے کرتے
ہیں۔ کہ یہ آپ کو مفت میں مل رہا ہے، ایسا نہ ہونا چاہیئے"۔

نوجوان بادشاہ کو سخت نفرت ہوئی۔ وہ کہنے لگا "تم
لوگ بوڑھے ہو گئے۔ تمہاری عقل بھی بڈھی ہے۔ تم کو اپنے
آتما پر بالکل بھروسہ نہیں۔ منتر کا ڈھکوسلا بناتے ہو، اور
دو چار اچھی باتیں لے کر اس میں باطل اعتقادی شامل کرتے
ہو۔ میری سلطنت میں کبھی اگیان کی ترقی نہ ہوگی۔ میں منتر
جنتر کی جڑ اکھیڑ کر پھینک دوں گا، اور کل ہی میں 'سچ'
کا اعلان کر دوں گا"۔

دوسرے دن تمام شہر میں ہلڑ مچ گیا۔ کہ بادشاہ اپنے
محل کے کوٹھے سے عام آدمیوں کو سچائی کی تلقین کرے گا۔

گیانی سمجھیں سارا سار
جڑ چیتن کا کریں بچار
جن میں سمجھ بوجھ نہیں یار
اُن کو جانو نپٹ گنوار
کام کرودھ لوبھ ہنکار
موہ میں بھرمے ہمت ہار
اُن پر ہر دم کال کی مار
کبھی نہ سمجھیں گے وہ سار
ہے جو تجھ میں گورو کا پیار
جڑتا سے تو ہو جا تیار
یہ سب جڑ تو چیتن سار
اپنا شانت رُوپ لکھ بار

"آسمان و زمین شانت ہو جا۔ سُورج چاند تم میں شانتی آوے۔ بنسپتی تم شانت ہو جاؤ۔ پانی وایو، اگنی شانت ہو۔ دیو و انترکش شانت ہو، اور مَیں بھی شانت بن جاؤں"

یہ راز تھا، یہ شانتی کا منتر تھا، یہ نکتہ تھا، مگر تمیز شاہزادہ نے کہا۔ "واہ! اِسی منتر کو بتا کر تم ہماری رعایا کا مال ہڑپ کر جاتے تھے، تم ہم کو دھوکا نہیں دے سکتے۔ ہم اس الم غلم کے پھندے میں نہیں پھنس سکتے"۔

بُڈھے آدمیوں نے کہا۔ "آپ نوجوان ہیں۔ کم سے کم اِتنا تو مان لیجئے۔ ہم میں بھی کچھ سمجھ ہے۔ اس منتر سے یہ کبھی مُراد نہیں کہ وہ خود جادُو کا اثر رکھتا ہے۔ وہ صرف انسان کے سوچنے کی قوّت کو متحرک کرتا رہتا ہے۔ چند سال کے بعد آپ سمجھ جائیں گے۔ کہ یہ فضول اور ناکارہ نہیں ہے۔ اِس کے عمل سے مصیبتیں دوست بن کر اِنسان کو پختہ کار بناتی ہیں۔ ورنہ وہ پریشان ہو کر تباہی کے مُنہ میں چلا جاتا ہے۔ صرف منتر ہی نہیں، بلکہ اُپدیش بھی کیسا مفید ہو جاتا ہے۔ جہاں آدمی نے ایک مرتبہ اس راز کو سمجھ لیا۔ پھر وہ کبھی نہیں گھبراتا۔ نہ ذرا ذرا سی کسی کی خفیف الحرکاتی پر غصّہ کرتا ہے۔ آپ اس کی بے قدری محض اس وجہ سے کرتے ہیں۔ کہ یہ آپ کو مفت میں مل رہا ہے، ایسا نہ ہونا چاہیئے"۔

نوجوان بادشاہ کو سخت نفرت ہوئی۔ وہ کہنے لگا "تم لوگ بُوڑھے ہو گئے۔ تمہاری عقل بھی بُڈھی ہے۔ تم کو اپنے آتما پر بالکل بھروسہ نہیں۔ منتر کا ڈھکوسلا بناتے ہو، اور دو چار اچھی باتیں لے کر اس میں باطل اعتقادی شامل کرتے ہو۔ میری سلطنت میں کبھی اگیان کی ترقی نہ ہو گی۔ مَیں منتر جنتر کی جڑ اُکھیڑ کر پھینک دُوں گا، اور کل ہی میں 'سچ' کا اعلان کر دُوں گا"۔

دُوسرے دِن تمام شہر میں ہلڑ مچ گیا۔ کہ بادشاہ اپنے محل کے کوٹھے سے عام آدمیوں کو سچائی کی تلقین کرے گا۔

اور بلا اُمیدواری کی تکلیف دیئے ہُوئے شانتی کے منتر کو بتا دے گا۔ اَور یہی نہیں، بلکہ اس کا پول بھی کھولے گا۔

وقت مقررہ پر محل کے نیچے وہ ہجوم ہُوا۔ کہ جس کی حد نہیں۔ دارالسلطنت کے باشندوں کے علاوہ قرب و جوار دیہات کے باشندے بھی آئے، اَور بڑی توجہ کے ساتھ شاہی تقریر کے اِنتظار میں کھڑے ہوئے۔

بادشاہ سلامت بالا خانے پر تشریف لائے۔ اُن کو دیکھتے ہی عوام نے خوشی کے نعرے (چیرز) بلند کیئے۔ اس طرح تالیاں پیٹیں کہ آدمیوں کے کان بہرے ہوگئے۔ جب بادشاہ کے ہاتھ کے اِشارے کو دیکھ کر سب خاموش ہو گئے۔ تب آپ بولے "عابدولت آج تم کو شانتی کا راز بتانا چاہتے ہیں۔ ہماری خواہش ہے، کہ ہماری رعایا اپنے اُوپر وشواس رکھے۔ اور جب کوئی مصیبت یا تکلیف کا وقت آوے، یہ سمجھ لے۔ "یہ سنسار اگنا پانی ہے"۔ یہی ایک شانتی کا راز ہے، اور کچھ نہیں۔

مگر اُس کا کچھ بھی سامعین پر اثر نہیں ہُوا۔ نہ بادشاہ کو خود اِس کی کبھی قدر اُمید تھی، لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا، کہ عوام اُس کی تقریر کی بے عزّتی کریں گے۔ جب وہ کہہ چُکا، ہر چہار طرف سے بُڈھوں نے بہ آواز بلند کہا "نہیں یہ غلط ہے۔ اس کی بات کا یقین نہ کرو۔ اس نے تمام مدارج نہیں طے کیئے۔ نہ اچھی طرح سب باتیں جانتا ہے۔ یہ صرف

منتر کا ایک حصّہ ہے"۔

بادشاہ نے کہا: "یہ لوگ سخت دھوکے باز ہیں۔ صرف تمہاری آنکھوں میں دھول ڈالنا چاہتے ہیں۔ اور تب اُس نے تمام رسم و رواج و پابندیوں کا حال کہہ سنایا، اور سارا منتر بھی سُنا دیا۔

بڈھوں کو جو تکلیف ہوئی بیان سے باہر ہے۔ اُن کے وشواش کا قلعہ ٹوٹ گیا۔ جس بات کو وہ ساری زندگی سمجھتے تھے، وہ مٹی میں مل گئی۔ بادشاہ نے ایک گھونسا لگا کر اُس قلعہ کو جڑ سے اُکھاڑ دیا۔ سب کو غصّہ آ گیا۔ اور عوام نے کہا۔ اس بے رحم و سنگدل بادشاہ سے بدلہ لینا چاہیئے جس نے ہمارے مذہب کی تحقیر کی۔ اور ہم سے تمسخر کے ساتھ پیش آیا"۔ اور سارا ہجوم محل کے دروازوں کو توڑنے لگا۔

محل کے اندر بادشاہ سلامت بند ہو گئے۔ وہ خود متحیّر و خوف زدہ تھے۔ سفید ریش والے مشیروں کی آنکھ سے آنسو جاری ہوئے۔

کسی طرح پھر امن و امان ہوا۔ عوام کو محل میں جانے کا موقع نہیں ملا۔ وہ بے دل، بد دل اور پریشان ہو کر اپنے اپنے گھر چلے گئے، اور سب کے سب دُکھی رہنے لگے۔ بڈھوں کو کون کہے۔ نوجوان کے چہروں پر رنج کے شکن نمودار ہوئے۔ اور مُلک کی جیسی پہلے حالت تھی۔ پھر وہی ہو گئی۔ اور اس کا نام "دُکھی دیش" پڑ گیا۔ پھر بادشاہ نے

کتنی کوششیں کیں - کہ وہی اگلی سی حالت پیدا ہو، مگر لا حاصل - کسی کو اس پر یقین نہیں آیا ؛

اُس نے بہت دن تک سلطنت کی - لیکن زندگی کے کسی دن اس کو خوشی نصیب نہیں ہوئی - اور نہ اس کے راج میں کوئی خوش نظر آیا ؛

ایک دن وہ اتفاق سے شکار کے لئے نکلا - دیکھتا کیا ہے - ایک سو سوا سو برس کا بوڑھا آدمی اُچھلتا کودتا جا رہا ہے، اور خوشی کے گیت بھی گا رہا ہے - بادشاہ کو اپنے لڑکپن کی حالت یاد آئی - جب وہ خود خوش تھا - اور جب اُس کے باپ کی رعیت بھی خوش تھی ؛

بڈھے کے سر پر بھاری بوجھ تھا - مگر وہ خوش تھا - اس کا نوجوان لڑکا ساتھ تھا - اُس کے مُنہ پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں - بادشاہ نے نوجوان کی طرف مخاطب ہو کر کہا اس عمر میں بھی یہ بُوڑھا خوش ہے - اس کا کیا سبب ہے؟ غم زدہ نوجوان لڑکے نے کہا - "یہ احمق اور اگیانی ہے - اس کو اب بھی شانتی کے منتر میں وشواس ہے - کیونکہ جب شانتی کے منتر کا پول کھولا گیا تھا - یہ بہرا ہو گیا تھا - اور اُس نے بادشاہ کی تقریر نہیں سُنی، نہ کسی نے اس سے کچھ کہا - نہ اس کو کچھ لکھنے پڑھنے کا شوق ہے" ؛

بادشاہ نے گہری سانس کھینچی، بُڈھے کی نگاہ اُس پر پڑی - جُھک کر فرشی سلام کیا - اور یہ گیت گاتا ہوا وہاں

سے اپنی راہ چلا گیا :-

سیرِ دُنیا کی دم بدم کیجئے — کس کا شکوہ و کس کا غم کیجئے
چند روزہ یہ زندگانی ہے — کس لیئے اپنی آنکھیں نم کیجئے

اُس کے گیت کی صدا سے میدان گونج اُٹھا۔ درختوں کے پرند اپنے پر و بال پھڑپھڑاتے ہوئے چہکنے لگے۔ مگر افسوس! بادشاہ سلامت کی جو کیفیت تھی، وہ ناگفتہ بہ ہے!

۸

گورو کی پُستکوں نے سب کچھ کیا

یہ دنیا عجیب و غریب ہے، ذرا اس کو چھیڑ دو، پھر یہ گلے کا ہار بن جاتی ہے، اور اُس کا چھٹکارا مشکل سے ملتا ہے۔ یہ کبھی مقصد نہیں ہے، کہ انسان جھوٹے ویراگ کے زعم میں آکر ترک دنیا کرے اور لنگوٹی لگا کر جنگل کی خاک چھانتا پھرے! بلکہ انسان کو چاہیئے کہ وہ اصلیت کو سمجھ کر خانہ داری کے تعلقات میں رہتا ہوا بھی بے تعلقی کی زندگی بسر کرے، ورنہ اگر اس نے ایک مرتبہ بھی غلطی کھائی، اور سچائی کو نہیں سمجھا تو پھر اگیان اپنے سلسلہ میں زبردست جال بُنتا جائے گا، اور انسان کو بُری طرح پھانس لے گا۔ دُنیا کس طرح اپنی زنجیر کی کڑیوں میں اضافہ کرتی رہتی ہے۔ ذیل کے قصّہ پر غور کرنے سے یہ آسانی سمجھ میں آجائے گا ؛

کسی گاؤں میں گنگا کے کنارے سنسان جگہ میں ایک فقیر

رہتا تھا۔ ایشور کی بندگی کے سوا اُس کو اور کچھ کام نہیں تھا ٭

حرص دنیا مِل گئی تھی خاک میں
تھا تقدس اِس کی ذات پاک میں

آس پاس کے گاؤں کے رہنے والے اُس کی تقدیس اور پاکی کی شہرت سُن کر اُس کے پاس آنے لگے۔ ایشور کے بندوں کو وعظ و تلقین کرنا بھی سادھو کی شان کے خلاف تھا۔ گاؤں والوں کے بہ تکرار درخواست کرنے پر آخر اُس نے شام کے وقت ست سنگ کا وقت مقرّر کیا، جو کوئی آتا۔ اُس کو وہ کتھا سُنایا کرتا۔ چونکہ آدمی سچّا تھا۔ بہت لوگوں کی زندگیاں سُدھر گئیں، اور وہ شانتی اور پریم کے ساتھ رہ کر ایشور کا بھجن کرنے لگے ٭

جب کچھ دن اس طرح پر گزر گئے۔ سادھو کو تیرتھ یاترا کا شوق پیدا ہُوا۔ جب گاؤں والوں کو خبر ملی۔ ان کو ایک طرح کا رنج ہُوا۔ کیونکہ سادھو ان کے درمیان نہایت ہر دل عزیز بن گیا تھا۔ سادھو کو کم سے کم چار برس باہر رہنا تھا۔ گاؤں والے اُس کے گرد جمع ہُوئے۔ اُس نے سب کو دُعائیں دیں، اور درخواست کی کہ اس کی عدم موجودگی میں اُس کے نوجوان چیلے کی برابر خبرگیری ہوتی رہے۔ اُس نے یہ بھی کہا، کہ چیلا روزانہ تم کو مقدس کتابوں کی کتھائیں سُناتا رہے گا۔ گاؤں والوں نے سادھو کی درخواست خوشی سے

منظور کی۔ اور وعدہ کیا کہ لفظ بہ لفظ اُس کے حکم کی تعمیل ہوتی رہے گی ۔

دوسری صبح کا وقت آیا۔ گورو نے اپنی تمام مقدّس کتابیں چیلے کے سپرد کیں اور تاکید کیساتھ کہا کہ "اُن کو چوہوں سے بچاتے رہنا، ورنہ ایک ورق بھی ثابت نہ رہیگا"۔ چیلے کو گورو کی جدائی شاق گذری، مگر اُس نے یقین دِلایا کہ کتابوں کی حفاظت میں جان تک سے دریغ نہ کروں گا ۔

گورو نے سب کچھ سمجھا بجھا کر تیرتھ یاترا کے لیئے کوچ کر دیا۔ اور چیلا اُسی وقت سے کتابوں کی حفاظت و نگرانی کی طرف متوجہ ہوا۔ غریب رات بھر ہاتھ میں لکڑی لیئے ہوئے کتابوں کی نگرانی کرتا رہا۔ پلک سے پلک نہیں لگنے پائی ۔

دوسری شام کو گاؤں کے باشندے کتھا سُننے کے لیئے اکٹھے ہوئے۔ مگر چیلے کی حالت خراب تھی۔ رات کی بیداری نے اُس کو پریشان کر رکھا تھا۔ جب سبب پوچھا گیا، اُس نے کہا "گورو کا حکم ہے۔ کتابوں کی حفاظت کی جائے۔ مَیں چوہوں کے خوف سے ساری رات جاگتا ہی رہ گیا" ۔

گاؤں والوں نے کہا "خیر کچھ مضائقہ نہیں۔ ہم تم کو ایک ہوشیار بلّی لا دیں گے، اور اُس کے خوف سے چوہے کتابوں کو نقصان نہ پہنچا سکیں گے" ۔

بلّی آگئی، چوہوں کی طرف سے تو اطمینان ہو گیا۔ مگر اب بلّی سے دودھ کی فکر دامنگیر ہوئی۔ تب گاؤں والوں نے پھر مشورہ

کیا۔ آخر یہ رائے قرار پائی، کہ اِس کو ایک دُودھ والی گائے خرید دینی چاہیئے، تاکہ بِلی بھُوکی نہ رہے۔ اور وہ چُوہوں سے کتابوں کی حفاظت کر سکے"۔

مگر یہ چیلا بھی عجیب دُھن کا آدمی تھا۔ اُس نے سُن رکھا تھا کہ گائے قابلِ پرستش ہے۔ یہاں تک کہ جب ماں کا دودھ نہیں ہوتا تب گائے اپنا دُودھ پلا کر اِنسان کے بچّے کی پرورش کرتی ہے۔ گائے کرشن بھگوان کو پیاری تھی، وہ اسی وجہ سے "گوپال" کہلاتے تھے۔ اور اپنے لڑکپن کے زمانے میں گایوں ہی کے چُرانے میں مصروف رہتے تھے۔

یہ سب باتیں اُس کو خوب یاد تھیں۔ جب اُس کو کتابوں کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔ بِلی کو دُودھ ملنے لگا، تو اب گائے کی حفاظت و پرستش کا مزید خیال پیدا ہُوا۔ یہاں تک کہ اب بھی اُس کو شام کے وقت کتھا سُنانے نہیں ملتا تھا۔

گاؤں والے سخت پریشان ہُوئے۔ بیچارے روز سادھو کی کُٹیا میں آتے۔ مگر اُپدیش سُننے سے محروم رہتے۔ پھر اُن کی پنچایت ہُوئی۔ اور ایک شخص نے سچّی ہمدردی کے لہجہ میں کہا۔ "یہ چیلا گائے کا اِتنا خیال رکھتا ہے۔ یہ ہی دھرم کا انگ ہے۔ بہتر ہے۔ برندا کے حوالے کردی جائے، تاکہ وہ گائے کی نگرانی کیا کرے۔ اور اس کو شام کے وقت کتھا سُنانے کا موقع ہاتھ آجایا کرے۔

بات معقول تھی، سب نے پسند کی، اور چیلے کی خدمت کے لئے برندا نامی ایک یتیم لڑکی بلا دی گئی۔ اس لڑکی کا چیلے کے گھر آنا تھا۔ کہ اُس کے تفکرات کا خاتمہ ہو گیا۔ ہر طرف رونق برسنے لگی۔ برندا کے ہاتھ

ہیں جیا دُو تھا۔ اس کے اشارہ کرتے ہی گائے پیار و محبت کے ساتھ دوڑتی چلی آتی۔ جھونپڑے کے اردگرد جابجا قرینہ کے ساتھ تلسی، گیندا اور چنبیلی کے درخت لگ گئے۔ صبح سے شام تک وہ مصروف رہتی، اور کیا مجال کہ کسی کو ذرا بھی اس کے کام میں نکتہ چینی کرنے کا موقع ہاتھ آتا۔

کچھ دنوں تک تو چیلا خوشی کے ساتھ گاؤں والوں کو کتھا سناتا رہا۔ مگر اس کی حالت میں خاص قسم کی تبدیلی آگئی۔ وہ اکثر رات کے وقت جھونپڑے کے باہر بیٹھا ہُوا چاند کو دیکھا کرتا۔ اس کا دل پریشان خیالوں سے بھرا رہتا۔ مگر غریب کو اتنی عقل نہیں تھی، کہ اس بے چینی کا سبب جانتا۔ دل کی حالت کچھ کی کچھ ہو گئی۔ گورو نے جو کچھ گیان دھیان کی باتیں بتائی تھیں۔ سب اس طرح کافور ہو گئیں۔ جیسے ہوا کے جھونکوں سے آسمان کے بادل دم کے دم میں نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں وہ مقدس کتابوں کو پڑھنے کے لئے ہاتھ میں لیتا، مگر دل کسی اور فکر میں لگا رہتا۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ جس طرح جھونپڑے کی رونق بڑھتی گئی، اس طرح اس کے چہرے پر اداسی اور بے چینی کے آثار نمایاں صورت میں نظر آنے لگے۔

کئی ہفتے گزر گئے۔ گاؤں والوں نے دیکھا۔ برندا نے نوجوان کے دل کو فریفتہ کر لیا ہے۔ اور وہ روز بروز دُبلا پتلا ہوتا جا رہا ہے۔ آخر گاؤں والے پھر اکٹھے ہوئے اور چیلے کی حالت پر غور کرنے لگے۔ دیر تک گفتگو کرنے کے بعد ایک شخص نے یہ تجویز پیش کی۔ کہ "برندا کے ماں باپ نہیں ہیں۔ بے چاری یتیم ہے۔ چیلا بھی براہمن ہے اور اسی کی ذات کا ہے۔ سادھو ہم کو اس لڑکے کا سرپرست بنا گیا

ہے۔ کیا وجہ ہے ہم اس کی شادی نہ کردیں۔ اُس وقت وہ خوش رہیگا۔
اور اُس کے تفکرات کا خاتمہ ہو جائے گا۔

نتیجہ یہ ہُوا کہ کمسن برندا چیلے کی جورُو ہو گئی۔ اور وہ اِس حیثیت میں گائے کی پرداخت کرنے لگی، جو بلّی کے دُودھ کے واسطے خریدی گئی تھی۔ اور بلّی چُوہوں سے کتابوں کی حفاظت کرتی رہی۔

سادھو کو تیرتھ یاترا میں چار برس لگے۔ اُس نے بہت سے مقامات کی سیر کی۔ آخر گھُوم پھر کر وہ پھر اپنی جگہ پر واپس آیا۔ جب وہ دریا کے کنارے پہنچا، وہاں کچھ اور ہی گل کھِلا ہُوا تھا۔ نہ وہ جھونپڑا تھا نہ وہ پہلی سادگی تھی۔ اُس کی جگہ ایک نیا مکان تعمیر ہو گیا تھا جس کی وضع سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ کسی گرہستی کا گھر ہے۔

سادھو کو سخت تعجب ہُوا، اُس نے مالک مکان کو آواز دی۔
ایک جوان شخص باہر آیا جس کے جسم پر برہمچاریوں کا لباس نہیں تھا۔ ایک لڑکا اُس کی گود میں تھا۔ اور دُوسرا ساتھ تھا۔ اُن کی شکل وصُورت برندا کی سی تھی۔ ویسی ہی آنکھیں، ویسی ہی ناک، وہی گرہست وہی سب کچھ۔

سادھو کو دیکھ کر چیلا خوف سے کانپنے لگا۔ اُس کو برہمچاری کی پرتگیا یاد آئی اور گُورو نے جو کچھ تعلیم پہلے دے رکھی تھی۔ سب کا از سرِ نو خیال پیدا ہُوا۔ کیا تھا، کیا ہو گیا۔ چیلے تھے پرمارتھ کمانے اور بن گئے دُنیا کے کُتّے۔ گھبرا کر وہ گُورو کے پاؤں پر گرا۔ اور کہنے لگا۔ "مہاراج! میرا ذرا بھی قصور نہیں ہے۔ یہ سب آپ کی کتابوں کی وجہ سے ہے۔ کتابوں کو چوہوں کے صدمہ

سے بچانے کے لئے بلّی منگائی گئی - بلّی کے دُودھ کے واسطے گائے آئی - گائے کی نگرانی کے خیال سے گاؤں والے برندا برہمنی کو لائے اور میں نے مجبوراً اپنی اخلاقی حالت کے درست رکھنے کی نظر سے اُس کے ساتھ شادی کر لی - یہ لڑکے اُس شادی کے نتیجے ہیں۔ مہاراج! یہ سب آپ کی کتابوں کی وجہ سے ہے - اس لئے معاف کیجئے!"

یہ قصّہ ہے - ممکن ہے صحیح ہو یا غلط - مگر حقیقت کے سمجھنے میں اس سے کتنی مدد ملتی ہے - اِس طرح دُنیا کے جھمیلے بڑھ جاتے ہیں - ایک بندھن دوسرے بندھن کے پیدا کرنے کا سبب ہو جاتا ہے۔

۹

بھالوگیہ برتاؤ

جو دَولت سے کام لینا جانتے ہیں - دَولت اُن کے لئے برکت ہوتی ہے - جو اِس سے مناسب برتاؤ نہیں کرتے - ان کے واسطے لعنت کا طوق بن جاتی ہے - یہی حال دنیا کی تمام چیزوں کا ہے۔ اگر تم عورت کے ساتھ بھی مناسب برتاؤ کرنا نہیں جانتے، تو ہمیشہ دُکھی رہو گے - حسد - بُغض کے شکار بنو گے اور اگر سلوک کرنے کے راز کو سمجھ گئے ہو تو وہی اِستری تمہاری محبّت میں چِتا پر جلنے کے لئے تیار رہے گی ؛

"سادھو" لفظ کا مطلب یہ کبھی نہیں ہے - کہ آدمی لنگوٹی لگا کر جنگل کی خاک چھانتا پھرے - سادھو آج کل اگر کہیں ہیں بھی تو

صرف گرہستیوں میں ہیں۔ اور یہ وہ لوگ ہیں۔ جو یتھا یوگیہ برتاؤ کرنا جانتے ہیں ؛

قصّہ ہے ۔" کسی زر پرست کو " لکشمی " کی بڑی خواہش تھی۔ اُس نے ہزاروں جتن کیئے ۔ مگر لکشمی نہیں ملی ۔ آخر ایک سادھو کے پاس گیا ، اور اُس کی خدمت کرنے لگا ۔ سادھو اُس کی خدمت سے خوش ہو کر کہنے لگا ۔" بیٹے ! تو کیا چاہتا ہے ؟" اِس کو کہنا چاہیئے تھا ۔ کہ لکشمی چاہتا ہوں ۔ مگر قسمت کی بات زبان سے یہ نکلا ۔ کہ لکشمی کا درشن چاہتا ہوں "! سادھو ہنسا ؛

نا۔ بیر کند بندہ تقاضہ یہ زنار خندہ

اُس نے کہا "بہت اچھا کل آدھی رات کے وقت فلاں پیپل کے درخت کے تلے جانا ، تجھ کو لکشمی کا درشن ہو جائیگا "؛

وقت مقررہ پہ یہ شخص جنگل میں پیپل کے درخت کے تلے پہنچا ۔ دیکھتا کیا ہے ، ایک نہایت نورانی ، شاندار مخلوق کھڑی ہوئی ہے ۔ اُس نے سمجھا ، یہ لکشمی دیوی ہے "۔ پاس جاکر پرنام کیا ، اور دیر تک اُس کو دیکھتا رہا ۔ لکشمی نے کہا ۔" اب تو نے میرا درشن کر لیا "؟ اُس وقت اُس کو اپنی نادانی یاد آئی ۔ پچھتانے لگا ۔ مگر اِس سے کیا ہو سکتا تھا ۔ آخر سوچ سمجھ کر جواب دیا " ہاں درشن تو آپ کے ہو گئے ، مگر ایک سوال باقی ہے ۔ اُس کا جواب دیجیئے تاکہ میری تسلّی ہو جائے "! لکشمی نے پوچھا " وہ کیا ہے ؟" اُس نے کہا " میں دیکھتا ہوں ، آپ کا تمام جسم روشن ہے ۔ جسم کی روشنی صاف شفاف اور سفیدی مائل ہے۔

مگر پیشانی اور پاؤں سیاہ ہیں۔ وہاں سے نیلی روشنی سیاہی مائل خارج ہو رہی ہے"؟

لکشمی نے مسکرا کر جواب دیا" اس کا سبب یہ ہے کہ میں اپنا ماتھا ایسے صاحب دل مہاتماؤں کے پاؤں میں رگڑا کرتی ہوں۔ جن میں سے ایک نے تجھ کو میرے پاس بھیجا تھا۔ مگر وہ کام لے کر مجھ کو دور ہی کرتے رہتے ہیں۔ اس وجہ سے یہ ماتھا سیاہ ہے۔ پاؤں کی سیاہی کا سبب یہ ہے، کہ تمہارے ایسے بدنصیب میرے پاؤں پر اپنا ماتھا رگڑتے ہیں۔ کہ میں ہمیشہ تمہارے پاس رہوں"

یہ کہہ کر لکشمی نظروں سے غائب ہو گئی۔ اور تمام جنگل میں اندھیرا چھا گیا۔ یہ شخص حیران و پریشان ہو کر اپنے گھر کو واپس آیا

یہ محض قصہ ہے، مگر نصیحت سے خالی نہیں ہے۔ نادان دنیا پرست جو مناسب برتاؤ کے راز کو نہیں جانتے۔ ہر چیز کو خواہ مخواہ اپنے گلے کا ہار بنانا چاہتے ہیں۔ اُن کے بنا حسن کا سامان باہر سے نہیں آیا۔ خود اُن کا ایجاد کردہ ہے۔ مگر یہ پھر بھی خواہ مخواہ شور مچاتے ہیں۔ اور اپنے اعمال کی طرف نگاہ نہیں رکھتے

نہ باید بستن اندر چیز دکس دل
کہ دل بر داشتن کارے ست مشکل

لڑکے بالے۔ عورت، دولت، شہرت، نیک نامی، سب عارضی اور ناپائدار چیزیں ہیں۔ جب تک میسر ہیں، پرماتما کا

نام لے کر اُن کا مناسب اِستعمال کرو۔ کبھی تم کو رنج و غم نہ ہوگا۔ اَور اگر رنگیلے محمدؐ شاہ کی طرح ان کو اپنے اُوپر سوار کرتے ہو۔ تو نادر شاہی کوڑا پیٹھ پر پڑے گا۔۔ اور یہی چیزیں سانپ بن کر ڈس لیں گی ؛

جو شخص "یتھایوگیہ برتاؤ کرنا جانتا ہے۔ وہی دراصل اِنسان ہے۔ اور اُسی کے لئے اِنسانیّت کا ناز کرنا بجا ہے۔ باقی اَور سب لوگ اِنسان بصورت حیوان ہیں ؛

کتابیں

جو زندگی سنوارتی ہیں

پردہ مجاز	منشی پریم چند	ناول	۷/۰
غبن	منشی پریم چند	ناول	۵/۷۵
کربلا	منشی پریم چند	ڈرامہ	۳/۰
خواب وخیال	منشی پریم چند	افسانے	۳/۵۰
رُوٹھی رانی	منشی پریم چند		۱/۵۰
سولہ سنگار	سُدرشن	افسانے	۵/۰
نرم گرم	کنہیالال کپور	مزاح	۳/۲۵
بال و پر	کنہیالال کپور	مزاح	۳/۰
ٹیگور کے ڈرامے	۵	ڈرامے	۳/۰
شاہراہِ زندگی	ترجمہ پروفیسر رام سروپ کوشل، نفسیات		۲/۲۵
بات کی بات	ہنسراج رہبر	ناول	۳/۵۰
آنکے بانکے	ہنسراج رہبر	ناول	۴/۲۵
کالے دھبّے گورے بدن	جمناداس اختر	ناول	۴/۰
راج سنگھ	بنکم ترجمہ سُدرشن	ناول	۳/۰
پریت کے گیت	الطاف مشہدی	کلام	۲/۲۵
رقصِ بہار	رام کرشن مضطر	〃	۳/۵۰
پھوار	نریش کمار شاد	〃	۲/۵۰
رُوحانی اِشارے	شوبرت لال	رُوحانیت	۱/۵۰
کامیابی کی کُنجی	شوبرت لال	رُوحانیت	۱/–
سائیں کے سوخیال	شوبرت لال	رُوحانیت	۱/۷۵
شاہی جوگی (گوتم بدھ)	شوبرت لال	〃	۶/۰

پبلشرز لاجپت رائے اینڈ سنز
اردو بازار۔ دہلی